اسلام کے غازی

یورپ میں

سید رئیس احمد جعفری (ندوی)

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

قیمت پانچ روپے
مطبع منصور پریس - لاہور
ناشر :- ایس - ایم - خاں چودھری

ممتاز حسن

نائب صدر منصوبہ بندی کمیشن

کے نام

فہرست عنوانات

یورپ پر

عربوں کے حملے

علامہ امیر شکیب ارسلان

ملاحظات

اس کتاب میں علامہ امیر شکیب ارسلان کی نادر اور مایۂ ناز کتاب "غنادایت العرب" کے چند اہم ابواب میں نے ترجمہ کر کے شامل کیے ہیں۔ ان ابواب میں علامہ نے یورپ پر عربوں کی فاتحانہ یلغار کے سلسلہ میں بڑا مستند اور بے انتہا دلچسپ مواد پیش کیا ہے۔ عربی زبان کے بہترین ادیبوں میں علامہ کا شمار ہوتا تھا، وہ بہت بڑے ادیب بھی تھے اور محقق بھی۔ اردو زبان میں ہم انہیں علامہ شبلی مرحوم سے تشبیہ دے سکتے تھے۔ شکیب ارسلان کی قومی غیرت اور خودداری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد فرانس نے ان کے وطن — شام — پر قبضہ کر لیا شکیب ارسلان کے پاس تلوار نہ تھی کہ وطن کا دفاع کرتے۔ رضاکارانہ جلاوطنی اختیار کر لی، اور عہد کر لیا جب تک شام آزاد نہیں ہو جاتا، غلام ملک کے باشندے بن کر نہیں رہیں گے۔ اس عہد کی پابندی میں انہیں بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، وہ زندگی کی آخری سانس تک اپنے عہد پر قائم رہے۔

مسلم تاریخ پر ایک انگریزی کتاب ARABS IN HISTORY نظر سے گزری یہ کتاب مستشرقین کی بزخود غلط ذہنیت کی بہترین نمائندہ قرار دی جا سکتی ہے یہ لوگ بہت کچھ پڑھ چکنے کے بعد بھی نہ غلط بیانی سے گریز کرتے ہیں نہ تعصّب سے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے معاملہ میں۔ رواداری کی انتہائی کوشش کرنے کے بعد بھی ناروا بن جاتے ہیں۔

اس کتاب کے دو مضامین ترجمہ کر کے میں نے شامل کتاب کر دیے ہیں، ان مضامین میں بھی تعصب اور تنگ نظری کا زہر موجود ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ قابل قدر مواد بھی موجود ہے۔ کیا حرج ہے اگر قارئین مواد سے استفادہ کریں اور ان حضرات کی ذہنیت کو بے نقاب دیکھ لیں۔

رئیس احمد جعفری

حرفِ آغاز

شکیب ارسلان

مجھ جیسا شخص یورپ کے سبزہ زاروں اور مرغزاروں میں آثارِ عرب کی تلاش وجستجو کرتا ہوا اگر شہر شہر اور کھنڈر کھنڈر گھومتا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، ہر اس شخص کا جو اپنے آپ کو عرب کہتا ہے یہ فرض ہے کہ اپنی عظیم وجلیل قوم کے مٹے ہوئے آثار ونقوش کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہو اور اپنے آباء اجداد کے فضائل ومناقب اور معالیٔ ہمم کے آثار جہاں کہیں بھی ملیں محفوظ کرلے اور ان چیزوں کو اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لیے ورثہ کے طور پر چھوڑ جائے۔

بلاشبہ اندلس کی سرزمین پر جگہ جگہ عربوں کے آثار تہذیب وتمدن بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ امت عربیہ کی تاریخ میں اندلس پر مسلمانوں کی سلطانی اور فرمانروائی کا دور متعدد اعتبارات سے قابلِ فخر اور ناقابلِ فراموش ہے بلکہ بلا اندیشہ تردید میں یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ اس کرۂ ارض پر انسان کے جو آثار پائے جاتے ہیں ان کے مقابلہ میں عربوں کے آثار کہیں زیادہ زندۂ جاوید بننے کے مستحق ہیں پھر کسی کو حیرت کیوں ہو۔ اگر ایک عرب اپنے آبا واجداد کے ان غیر فانی کارناموں، لازوال یادگاروں اور ہمیشہ باقی رہنے والے آثار پر فخر کرتا، ان کی جستجو میں سرگرداں پھرتا اور ان کے دیدار کے لیے دور دراز ممالک کی مسافتیں طے کرتا مختلف چپوں اور گوشوں میں پہنچتا ہے۔ خود روتا اور دوسروں کو رلاتا ہے۔ یہ چیزیں صرف ہمارے مجدِ ماضی کے آیات ناطقہ اور بینات قاطعہ ہی نہیں ہیں جن سے ہمیں یہ معلوم ہو کہ گزرے ہوئے زمانہ میں ہم کیا کرچکے ہیں

بلکہ یہ ایک حجت ملزمہ اور آیت معجزہ اس بات کی بھی ہے کہ اپنے دور حکومت فرمانروائی میں ہم نے جو کچھ کیا تھا وہ اقدار کے لحاظ سے بھی کتنا گراں مایہ تھا، اور اس بات کی دلالت بھی ہے کہ اگر ہم تہیہ کر لیں، اپنے اندر پھر وہی جذبہ اور روح پیدا کر لیں جو ہمارے اسلاف میں کارفرما تھا تو گزری ہوئی تاریخ ایک مرتبہ پھر دہرا سکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ تھے وہی پھر بن سکتے ہیں، بشرطیکہ اغیار و اجانب ہمارا دامن پاٹیکل کر سنگ راہ بننے کی کوشش نہ کریں۔

بلوغ و شعور کی منزل میں قدم رکھتے ہی اندلس کی عربی تہذیب و آثار سے میں ایک طرح کا والہانہ شغف محسوس کرنے لگا، وہاں کی تاریخ، وہاں کے حالات و واقعات وہاں کے انجام، ہر چیز میں میرے لیے ایک غیر معمولی کشش تھی، یہاں تک کہ تقریباً چونتیس سال کی کاوش سے، جسے بجا طور پر ایک عمر کہا جا سکتا ہے، میں نے فرنچ سے عربی زبان میں مشہور ادیب و انشاء پرداز شاتو بریان کا مشہور افسانہ "بنو سراج کا انجام" عربی زبان میں منتقل کیا، جس کا پلاٹ بنو سراج سے تعلق رکھتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے ترجمہ میں حاشیہ کے طور پر اندلس کی تاریخ سے متعلقہ مواد جو یورپین زبانوں سے لے کر شامل کر دیا جس میں مملکت غرناطہ کے سقوط سے لے کر عربوں کی آخری جلاوطنی کے دور تک کا سارا افسانہ بیان کر دیا اس لیے کہ تاریخ کا یہ حصہ ہمارے زمانہ میں مجہول صورت اختیار کیے ہوئے ہے۔

میری یہ ناچیز خدمت حسن قبول سے مشرف ہوئی، اپنی کتاب میں نے عظمت عربیہ کی پوری داستان میں نے بیان کر دی تھی، جس میں ایسے گوشے بھی تھے جو گریہ آور تھے۔ جنہیں پڑھ کر لوگوں کی آنکھوں سے سیلاب اشک امنڈ آیا، میں نے ان کارناموں کو اجاگر کیا تھا جن کی تاثیر و تاثر نے یہ رنگ اختیار کر لیا کہ جس نے ایک مرتبہ یہ کتاب پڑھ لی وہ بار بار اپنے آپ کو اس کے مطالعہ پر مجبور پانے لگا، کیونکہ یہ اپنی شاندار کامیابی اور ناقابل

فراموش ناکامی، عروج کی انتہا اور زوال کی حد آخر، رفعت و سربلندی کا نقطۂ کمال یعنی ذلیل حالی کی آخری منزل تھی، یہ کہانی پڑھ کر لوگ روئے بھی اور اپنے ملی آثار گم شدہ کی تلاش میں سرگرداں بھی ہوئے۔ ایک طرف اپنی قومی سربلندیوں کا تذکرہ ایک نیا ولولہ پیدا کرنے کا موجب بنتا تھا، دوسری طرف اس کے زوال و ہبوط کی نشان دہی عبرت و موعظت کی کیفیت پیدا کرتی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال کی مختصر مدت میں میری کہانی بنو سراج کا انجام کئی مرتبہ اپنے حواشی کے ساتھ چھپی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔

جرمنی کے شہر میونخ کے ایک مضافاتی قصبہ بافاریہ میں مجھے ایک نادر و نایاب کتاب مل گئی جس کا نام ہے اخبار العصر فی انقضاء دولت بنی نصر میں نے اس کتاب سے بھی فائدہ اٹھایا اور حسب ضرورت مواد اس سے لے کر اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔

"اخبار العصر" کا مؤلف کون ہے، یہ نہیں معلوم، لیکن کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مصنف نے بچشم خود سقوط غرناطہ کے لرزہ خیز حوادث اور وقائع کا مشاہدہ کیا تھا وہ اسی زمانہ کا آدمی تھا۔ اور اس نے جو واقعات درج کیے ہیں یا خود اس کے دیکھے ہوئے ہیں یا ان لوگوں سے مروی ہیں، جنہوں نے یہ واقعات و حوادث اپنی نظر سے دیکھے تھے۔

میرا خیال ہے کہ مقری نے جب اپنی کتاب "نفح الطیب" لکھی ہے تو یہ کتاب یعنی "اخبار العصر" اس کے پیش نظر تھی کیوں کہ نفح الطیب میں سطروں کی سطریں ایسی ملتی ہیں جو اخبار العصر سے لی گئی ہیں۔ بعد میں میں نے یہ کتاب جو میونخ سے مجھے حاصل ہوئی تھی اور جس کا مؤلف نامعلوم ہے۔ مطبعۂ المنار مصر سے شائع بھی کر دی تھی، اس کے ساتھ چار شاہی فرامین بھی تھے، ابو سلطان ابو الحسن علی بن الاحمر۔ (یہ ابو عبداللہ کا والد ہے جو اندلس کا آخری فرمانروا تھا اور جس نے غرناطہ کی کنجیاں بادشاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ایزابیلا کو سپرد کی تھیں) کے تھے۔

لیکن یہ جو کچھ تھا مطالعہ و تحریر کا نتیجہ تھا، اندلس کے بارے میں میرے دل کے اندر جو جذبہ مچل رہا تھا، وہ صرف قلمکاری سے تسکین نہیں پا سکتا تھا حسرت یہ تھی کہ آنکھیں سرزمین اندلس کے دیدار سے شادکام ہوں۔ میں وہاں کے شہروں میں گھوموں، گلیوں کے چکر کاٹوں اور ایک ایک چپے اور گوشے تک پہنچوں جو کچھ پڑھ چکا ہوں اسے آنکھوں سے دیکھوں۔

لیکن انسان جو کچھ چاہتا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ پورا بھی ہو اور اگر پورا ہو بھی تو یہ قطعاً ضروری نہیں کہ اسی وقت پورا ہو جب دل میں ترنگ اٹھے، رہ رہ کے میرے دل میں یہ کسک پیدا ہوتی کہ اس دیار تک پہنچوں جہاں ہمارے آباء و اجداد نے فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑے تھے، جہاں انہوں نے ایک نئی تہذیب کی تخلیق کی تھی، جہاں پہنچ کر ایک نئی دنیا انہوں نے بسائی تھی، وہاں جاؤں، وہاں کے حالات جمع کروں، جو کچھ پڑھا ہے سنا ہے، جو کچھ دیکھا ہے۔ قلم کی مدد سے کاغذ پر جمع کردوں، لیکن عوائق دامن پکڑتے رہے، مشغولیتیں عنان گیر ہوتی رہیں، کبھی کبھی تو ایسا اندیشہ ہوتا کہ شاید یہ آرزو پوری نہ ہو سکے اور موت کا پیامبر دیار اندلس کے بجائے دوسری دنیا میں لے جائے۔ لیکن خدائے رحمن و رحیم کا شکر و سپاس کس زبان سے ادا کیجیے کہ بالآخر یہ حسرت دیرینہ پوری ہوئی اور سر و سامان سفر بہم پہنچا کہ میں نے اندلس کی راہ لی، یہ واقعہ ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۳ء) کا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ میں جینوا میں مقیم تھا اور جمعیت امم (LEAGUE OF NATIONS) کے اجلاس پابندی کے ساتھ وہاں ہو رہے تھے۔ اس موقع پر حالات و مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ میں جینوا میں موجود رہوں۔ میرے بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں مجھے جلد بازی سے کام نہ لینا چاہیے اور اگلے موسم سرما یا موسم بہار میں سفر ہسپانیہ کا ارادہ کرنا چاہیے، کیونکہ اندلس کے جن مقامات پر میں جانا چاہ رہا تھا، وہاں کی شدید گرمی میرے لیے ناقابل برداشت ہوگی، مگر ان مشوروں

کی پذیرائی میرے لیے ممکن نہ تھی، سفر کا ارادہ مستحکم ہو چکا تھا اور اب میں کسی وجہ سے بھی اس میں تغیر یا تاخیر کرنے پر تیار نہ تھا، گذشتہ کئی سال سے یہ آرزو میرے دل میں مچل رہی تھی جب بھی میں نے سفر کا ارادہ کیا کوئی نہ کوئی مانع پیش آ گیا اور مجھے اپنا ارادہ ملتوی کر دینا پڑا، اب اگر میں پھر سرما اور گرما یا بہار و خریف کے چکر میں پڑ جاتا تو نہ جانے پھر کب نوبت آتی۔

یورپ کی سیاحت خوب جی بھر کے کر چکا ہوں، شاید ہی کوئی شہر ہو، جہاں میرے قدم نہ پہنچے ہوں، بعض جگہ تو کئی کئی مرتبہ گیا ہوں اور وہاں کے حالات و واقعات سے اچھی طرح دو چار ہوا ہوں، یورپ کے شمال میں اسکنڈے نیویا اور جنوب میں بلادِ ہسپانیہ کے سوا کوئی مقام ایسا نہیں ہے جو میرا دیکھا ہوا نہ ہو۔ جہاں تک اسکنڈے نیویا کا تعلق ہے ہم جیسے لوگوں کے لیے وہاں جانا اور نہ جانا برابر ہے؛ کیونکہ نہ اس میں کوئی خاص کشش ہے، نہ کوئی خاص بے رغبتی گئے تو ٹھیک نہ گئے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اندلس کا معاملہ دوسرا ہے۔ بلوغ و شعور کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا جو جذبہ ابھرا وہ یہی تھا کہ جس طرح بھی ہو وہاں پہنچا جائے۔ ہم جیسے شخصوں کے لیے اس سفر میں تاخیر کم از کم اپنے ارادے کی حد تک۔ تو مناسب نہیں اور اب یہ فرصت جو ہم پہنچی اور یہ وقت جو ملا تو جتنے ہی روز کے اندر سارے مراحل طے کر کے مسافر اپنے سفر پر چل کھڑا ہوا۔

چونکہ اس سفر کا مقصد اصلی یہ تھا کہ آثار عرب کے سلسلہ میں یہ بھی معلوم کیا جائے کہ دیارِ مغرب میں وہ کس طرح آئے اور کہاں کہاں پہنچے؟ لہٰذا ہمارے لیے یہ ضروری تھا کہ سب سے پہلے اس سلسلہ میں ہم سرزمین فرانس کا رخ کریں، جہاں ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں زمین کو کچلتی ہوئی پہنچ گئی تھیں۔ بلکہ جنوبی فرانس میں تو انہوں نے کشور کشائی کا پرچم بھی لہرایا تھا۔ جس کے بعد بلادِ فرنگ میں بھی وہ اسی طرح پہنچے جس طرح بلادِ قرطبہ دگر نمفا اور جلالقہ وغیرہ امم مغرب کے ممالک میں وہ منافر د منصورین کر داخل ہو گئے تھے

جہاں انہوں نے دشمن کی قوت پارہ پارہ کردی تھی اور خود ایک مستحکم چٹان کی صورت اختیار کرلی تھی۔

اب میری داستان سیاحت سنیے:۔

۱۷ر جون ۱۹۳۰ء!

لوزان سے رخصت ہوکر میں پیرس پہنچا رات بھر یہیں رہا میرے یہاں پہنچنے کی اطلاع دو پرجوش اور مستعد نوجوانوں کو ہوگئی تھی جن کا شمار بہترین ادباء مغاربہ میں ہوتا ہے۔ایک سید احمد بلا فریج، دوسرے سید محمد الفاسی، ان میں سے اول الذکر بیوتات اندلسیین کے ذوائب میں سے ہیں اور ثانی الذکر اندلس کے فہر لیسین کے بعد کی آل ہیں اور فاس کے اعیان میں جن کا شمار ہوتا ہے۔ابھی ریل سے اترا بھی نہیں تھا کہ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر دیکھتا کیا ہوں، یہ دونوں نوجوان خوش آمدید کہنے کے لیے موجود ہیں، ہم لوگ اسٹیشن سے باہر نکلنے کے بعد ایک ہوٹل میں پہنچے جس کا نام اوالبان پالاس ہے اور جو شارع برون BOULEVARD BRUME) میں واقع ہے۔میں نے ان دونوں سے اپنا مقصد سفر بیان کیا، یہ لوگ یونیورسٹی میں اپنا ٹرم ختم کرنے کے بعد عازم وطن ہو رہے تھے، لیکن انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس سیاحت میں کچھ عرصہ تک وہ میرے ساتھ رہیں گے میں بھی اس پر تیار ہوگیا۔

میرے پیرس پہنچنے کے دوسرے دن شام کو طلبا کی جماعت ہم سے ملنے آئی ان لوگوں سے ملاقات کرکے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ پھر ہم لوگ ایک عربی ریستوران میں جمع ہوئے اور وہاں مختلف معاملات و مسائل پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔

یہاں سے فارغ ہوکر سید محمد فاسی اور احمد بلا فریج کے ساتھ میں مکتبۂ جوتنر میں گیا۔ اس مکتبہ میں کتب شرقیہ ہر طرح کی مل جاتی ہیں۔یہاں میں نے کئی کتابیں جو اندلس سے متعلق تھیں خریدیں۔

ہوٹل ادالیان بالاس کے پاس جب میں پہنچا تو بالکل اتفاقاً حسین رؤف بے سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہ اس جنگی جہاز حمیدیہ کے مشہور کپتان تھے، جس نے پہلی جنگِ عظیم کے نازک معرکوں میں نمایاں حصہ لیا تھا اور جو ایک عرصہ تک حکومت ترکیہ کے امیرالبحر کے منصب پر فائز رہے تھے۔ رؤف بے سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی، کیونکہ سنہ ۱۹۲۴ء میں بمقام آستانہ ہم دونوں کافی عرصہ تک ایک ساتھ رہے تھے۔

یہیں رحمی بے بھی مجھ سے ملاقات کے لیے آئے، یہ جنگِ عظیم کے زمانہ میں ازمیر کے گورنر تھے اور انجمن اتحاد و ترقی کے ممتاز ارکان میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ترکیہ کے قابلِ فخر لوگوں میں ایک یہ بھی ہیں۔ میرے اور میرے ابن عم امین مصطفیٰ ارسلان کے یہ بڑے گہرے دوستوں میں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اچانک اور غیر متوقع طور پر رؤف بے اور رحمی بے سے مل کر مجھے بے اندازہ مسرت ہوئی جن سے ہماری دوستی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ان لوگوں کو لے کر میں ایک عربی ریستوران میں گیا جہاں ہم نے کھانا کھایا جو مغربی طرز کا پکا ہوا تھا اس دوران میں عربی موسیقی کا رس بھی ہمارے کانوں میں ٹپکتا رہا، خاص طور پر نغمۂ اندلس۔ یہ رات بھی کتنی عجیب تھی، یہ دن بھی کتنا دلفریب تھا۔

تقریباً پانچ روز تک پیرس میں قیام رہا۔ پھر ریل پر بیٹھ کر میں تولوز لیعنی طلوزہ[1] روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر پیرس کے نوجوانانِ عرب الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔ ان سب نے نعرہ لگایا:

"عرب زندہ باد"

اور اسٹیشن اس نعرہ سے گونج اٹھا۔

آٹھ گھنٹے کی مسافت کے بعد ہماری ریل طلوزہ پہنچی، اسٹیشن کے قریب ہی

---

[1] اس کا موجودہ نام (TOULOUSE) ہے۔

ایک ہوٹل ٹرمینوس[1] میں ہم ٹھہر گئے۔ دوسرے روز ہم قرقشونہ[2] روانہ ہوئے۔ یہ مقام آثارِ عرب کا گہوارہ ہے۔ شہر اور قلعہ کی میں نے زیارت کی۔ شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھا اور گھوما، تقریباً دو گھنٹے کی گشت کے بعد پھر طلوزہ واپس آگیا۔ اب شام ہو چکی تھی، قرقشونہ اور طلوزہ کی مسافت ریل سے دو گھنٹہ سے زیادہ کی نہیں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آغاز فرانس کے اس حصہ سے کروں جہاں عربوں نے پرچم فتح وظفر لہرایا تھا، پھر ہسپانیہ کی طرف متوجہ ہوں جہاں کئی سو برس تک عربوں نے حکومت کی تھی، یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے سفر کا آغاز فرانس سے ہوا ہے اور جبکہ اس سفر سے میرا مقصد یہ ہے کہ عرب کے آثار و اخبار کا استقصا کروں، خواہ وہ یورپ کے کسی گوشہ اور قطعہ میں کیوں نہ ہوں۔ تو مجھے اس بندھے ہوئے راستہ سے صرف اس صورت میں رو گردانی کرنا پڑے گی جب سیاق بحث کا اقتضا ہو۔

اگر میں پہلے اندلس کے اس مقام پر پہنچ جاتا جہاں عرب پہلے پہل اترے تھے۔ تو پھر ترتیب کا اقتضا یہ ہوتا کہ سب سے پہلے جبل طارق کو زیر بحث لاتا، پھر جزیرہ خضرا، پھر شریش، پھر قرطبہ پھر طلیطلہ تک، یعنی جنوب سے لے کر شمال تک پہنچتا اور اس کے بعد اس منزل کو ختم کر کے اربونہ، قرقشونہ، نیم، افینیون سے لے کر کوہ آلپس اور بلادِ اطالیہ و فرانس و سویٹزرلینڈ میں آثار عرب کی جستجو کرتا۔

اور واقعی میں ایسا ہی کرتا، اگر جلا وطن نہ ہوتا اور اپنے وطن شام میں میرا قیام ہوتا۔ پھر اندلس تک کا میرا سفر اسی راستہ سے ہوتا جیسے ہمارے اجداد نے طے کیا تھا

---

[1] (TERMINUS) [2] جسے اب (CACASSONNE) کہتے ہیں۔

لیکن غریب الوطنی نے مجھے وطن سے دور لا پھینکا ہے۔ میرا ملک غلام ہے اور میں یورپ میں بودوباش اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ لہٰذا اندلس کا سفر بجائے جنوب کے شمال کی طرف سے مجھے کرنا پڑ رہا ہے۔ یعنی جہاں میں اب مقیم ہوں۔ گویا دوسرے الفاظ میں میرا آغاز سفر اس جگہ سے ہو رہا ہے جہاں عربوں کے فتوحات یورپ کی انتہا ہوئی تھی نہ کہ وہاں سے جہاں سے انہوں نے مارچ کیا تھا۔

بہرحال مقصود جب یہ ٹھہرا کہ آثار سلف کا استقراء کیا جائے اور ان کے نقوش قدم تلاش کیے جائیں، جہاں بھی تاریخ رہنمائی اور یورپ کی سرزمین نشاندہی کرے تو پھر تعیین مکان اور التزام مقام کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہم وہ سب کچھ بیان کریں گے جو ہم نے دیکھا اور عربوں کے فتوحات یورپ کے بارے میں ہم نے معتبر اور مستند کتابوں سے حاصل کیا۔ لہٰذا کسی خاص ترتیب کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ ہم جنوبی فرانس، شمالی اٹلی، کوہ آلپس کے مضافات اور وہ مقامات جو آج کل تین ملکوں یعنی فرانس، اٹلی، سوئٹزرلینڈ کے درمیان واقع ہیں، سب کو زیر بحث لائیں گے۔

درحقیقت اس کتاب کا موضوع عربوں کی وہ یادگار اور ناقابل فراموش جنگیں ہیں جو انہوں نے فرانس کی سرزمین پر شمالی اطالیہ میں اور قلب سوئیسرا (سوئٹزرلینڈ) میں لڑیں۔ میرا یہ دعویٰ شاید خودستائی پر محمول نہ کیا جائے کہ عربی زبان میں اس موضوع پر یہ کتاب پہلی مستقل تاریخ ہے۔

موسیٰ بن نصیر

و

طارق بن زیاد

جنہوں نے افریقہ اور اندلس پر اسلام کا پرچم لہرایا

افریقہ میں جب عربوں کے قدم جم گئے تو وہ بحر زقاق کو عبور کرنے کی فکر کرنے لگے، جو افریقہ اور یورپ کے مابین حد فاصل ہے، یہ واقعہ ۹۱ھ کا ہے۔ اس زمانہ میں افریقہ کی امارت خلیفہ کی طرف موسیٰ بن نصیر کو حاصل تھی۔ موسیٰ بن نصیر حجاز کے رہنے والے تھے، زمانہ عمر ابن الخطاب میں پیدا ہوئے۔ نشر عقیدۂ توحید کے لیے جہاد و پیکار کی محبت گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ افریقہ کے غزوات میں جب انہوں نے حصہ لینا چاہا تو تیس سال کے ہو چکے تھے۔ دل میں ولولے اور امنگ کی آگ بھڑک رہی تھی۔

اس زمانہ میں اسپین پر گوتھ قوم حاکم تھی جس کا سردار لذریک تھا۔ اس سرزمین سے فرانس کے بھی کچھ علاقے ملحق تھے۔ مثلاً روسیون، لانغدوق وغیرہ جو پراونس کے حصے تھے۔

اسپانیہ میں ظاہری طور پر ہر چیز عروج پر تھی خاص طور پر عمران و تہذیب، لیکن فساد اخلاق نے اس قوم کے جسم کو کھوکھلا کر دیا تھا، لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ مملکت جو بظاہر عظیم و جلیل تھی چند سرفروشوں کے ہاتھ میں پکے ہوئے پھل کی طرح آ رہی، جن کے دل جوش پیکار سے لبریز تھے اور جن کا یہ اعتقاد تھا کہ اس نے انہیں ہدایت بشر کے لیے بھیجا ہے۔

موسیٰ نے پہلا تجربہ اس مملکت پر حملہ آور ہونے کا یوں کیا کہ بربروں کا ایک دستہ طریفہؒ کی طرف غارت گری کے لیے بھیجا، یہ لوگ کامیاب و کامران واپس آئے۔ اندرون ملک میں ان کی کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ اس واقعہ سے موسیٰ کا عزم اور پختہ ہو گیا۔ دوسرے سال یعنی ۹۱ھ میں ایک بڑی فوج جو بارہ ہزار جنگجو بہادروں پر مشتمل تھی اور جس میں اکثریت بربروں کی تھی۔ طارق بن زیاد کی سرکردگی میں روانہ کی، یہ مہم بھی کامیاب رہی۔ طارق کا چھوٹا سا لشکر دشمن کے پورے ملک کی متحد فوجی طاقت پر غالب رہا۔ اس جنگ میں لذریک کام آیا اور اسکا سر دمشق میں خلیفہؒ کو بھیج دیا گیا، ایک سال سے کم کی مدت میں طارق نے قرطبہ مالقہ اور طلیطلہ کو مکمل طور پر فتح کر لیا، عرب مورخین میں سے ایک کا بیان ہے کہ دمشق پر رعب ڈالنے کے لیے طارق نے کچھ قیدیوں کو قتل کرا دیا، یہ طارقؒ وہی ہے جس کے نام سے ایک پہاڑی جبرالٹر یعنی جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے۔

اندلس کے جہاد میں مسلمانوں نے دین و دنیا دونوں کی بھلائی دیکھی یعنی ایک طرف سواد مسلین میں اضافہ ہوا، دوسری طرف اس معرکہ آرائی نے جنت واجب کر دی اور اگر کچھ مسلمان ایسے تھے جنہیں فکر آخرت نہ تھی تو بھی وہ اس لیے اس جنگ میں شریک ہو گئے کہ یہ ایک سرسبز و شاداب قطعہ ارض تھا، جہاں ہر وہ چیز موجود تھی جس سے نفس راحت پا سکتا اور آنکھ لذت حاصل کر سکتی ہے، چنانچہ اس فتح نے مقاصد دنیا و اخروی دونوں پورے کر دیے۔

ایک بات جس میں کوئی نزاع نہیں ہے یہ ہے کہ اندلس میں طارق کی فوری کامیابی میں یہودیوں کا ہاتھ بھی تھا، یہ بہ تعداد کثیر اسپین میں آباد تھے اور عیسائی ان پر نہایت ہولناک اور ننگ انسانیت مظالم کرتے تھے۔ عرب حملہ آوروں کی صورت میں یہودیوں کو ایسے بھائی مل گئے جو انہیں ظلم کے پنجے سے چھڑا سکتے اور ان کا انتقام لے سکتے تھے۔

موسیٰ بن نصیر کو جب یہ خبر ملی کہ طارق نے اندلس فتح کر لیا ہے تو اس کے دل میں یہ ترنگ اٹھی کہ اس فتح میں میرا حصہ بھی ہونا چاہیے۔ چنانچہ عرب و بربر کا ایک جیش گراں لے کر وہ اندلس روانہ ہوا اس کے ساتھ ایک صحابی رسول بھی تھے جن کی عمر سو سال کی تھی اور بہت سے ایسے لوگ تھے جو ابنائے صحابہؓ تھے۔

موسیٰ نے جو راستہ اختیار کیا وہ اس کے غلام طارق کے راستہ سے مختلف تھا۔ چنانچہ موسیٰ نے شہر ماردہ و سرقسطہ فتح کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کی فوج میں پیدل کم اور سوار زیادہ تھے، پیچھے پیچھے خچروں پر رسد آرہی تھی۔ مورخین عرب اس بات پر متفق ہیں کہ موسیٰ بن نصیر جہاد کرتا ہوا سرزمین فرانس تک پہنچ گیا۔ ناربون میں اس نے ایک کلیسا میں چاندی کی مطلا منقش تماثیل پائیں، اسی طرح قرقشونہ میں کلیسائے سینٹ ماری میں چاندی کے سات بڑے بڑے ستون اسے ملے۔

عرب فرانس کو ارض کبیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس سے ان کی مراد وہ تمام قطعات ارض ہیں جو کوہ پیرانہ (جنہیں عرب البرانس کہتے ہیں) کوہ آلپس اور رودنیانوس اور تھرالیا اور مملکت روم کے مابین واقع ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ بلاد شارل مارٹل اور اس کے بیٹے ببین اور خاص طور پر شارلیماں کے زمانہ تک فرانسیسی ہی تھے۔ اس مملکت میں جو قومیں پھیلی ہوئی تھیں ان میں متعدد زبانیں رائج تھیں۔ جیسا عرب مورخین کہتے ہیں، جس چیز نے عیسائیوں کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ ایک ہی وقت میں ان کے یہ دشمن (مسلمان) ہر جگہ پہنچ جاتے تھے۔ ان کا طریقہ فتح یہ تھا کہ جب کوئی شہر ہتھیار ڈال دیتا اور دروازہ کھول دیتا تو اس کے باشندوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ کرتے۔ نہ ان کے مال میں ہاتھ لگاتے، نہ ان کے دینی معاملات میں مداخلت کرتے۔ مفتوح باشندوں پر جو جزیہ عاید کرتے وہ متفاوت یعنی حسب حال ہوتا، کبھی کبھی اہالی شہر سے رہائن بھی لے لیتے تاکہ وہ عہد

کے زیادہ پابند رہیں، لیکن جو شہر ہتھیار نہ ڈالتا اور بزورِ شمشیر فتح ہوتا تو وہاں وہ زیادتیاں بھی ہوتیں جو فتوحات کا لازمہ ہیں۔ ان لوگوں پر دگنا جزیہ عاید کیا جاتا، آگے بڑھتے ہوئے مسلمان اپنی طرف سے کسی شخص کو انتظامی معاملات کا سربراہ بنا جاتے، جو عام طور پر یہودی ہوتا چونکہ عیسائیوں اور یہودیوں میں سخت دشمنی تھی، اس لیے یہودی مسلمانوں کے لیے زیادہ قابلِ اعتماد ثابت ہوتے۔

مورخین عرب نے فرانس میں فتوحات عربیہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کا مقصد یہ تھا کہ وہ دمشق اس طرح جائیں کہ جرمنی سے گزرتے ہوئے قسطنطنیہ اور وہاں سے ایشیائے کوچک ہوتے ہوئے شام پہنچیں، کیونکہ بحر متوسط گویا مملکت اسلامیہ کے تصرف میں تھا۔

لیکن مسیحی مورخین نے سرزمین فرانس پر موسیٰ کے داخلہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سرزمین پر موسیٰ کی غارت گری اتنی سریع تھی، جیسے باز پرندے پر جھپٹتا ہے اور پھر فضا کی پنہائی میں گم ہو جاتا ہے۔"

اوپر کی ساری تفصیل رینو کی کتاب کا خلاصہ ہے۔

سطور بالا میں رینو نے جو معلومات پیش کی ہیں وہ مقری کے لیے ہیں، ہم کیوں نہ دیکھیں کہ مقری نے کیا لکھا ہے۔ نفح الطیب کا پہلا حصہ ص ۱۲۹ ہمارے سامنے ہے۔

" موسیٰ بن نصیر جلیقیہ (جسے انگریزی زبان میں (GALICIE) کہتے ہیں، اس کا پایۂ تخت شانت یاقو (SANTIAGO) تھا) کی طرف بڑھ رہا تھا اس اثنا میں کہ اس کی پیش قدمی جاری تھی ولید بن عبدالملک کا پیامبر مغیث رومی اس کے پاس پہنچا اور کہا خلیفہ نے آپ کو دمشق میں یاد فرمایا ہے اور مزید پیش قدمی سے منع فرمایا ہے۔"

یہ بات نہایت گراں گزری اس لیے کہ اندلس میں طلیطلہ کے سوا کوئی شہر ایسا نہیں
تھا جس پر عرب قابض نہ ہو چکے ہوں۔ موسیٰ کو تمنا تھی کہ یہ شہر بھی مملکت اسلامیہ
میں داخل ہو جائے۔ موسیٰ نے مغیث کی خوشامد کرتے ہوئے کہا کہ ذرا تھم جاؤ میں
اس شہر کو فتح کر لوں، اجر و غنیمت میں تمہیں بھی شریک رکھوں گا۔ پھر دمشق چلیں گے
مغیث راضی ہو گیا اور اس کی پیش قدمی میں شریک رہا یہاں تک کہ قلعہ بارونک LIIA UE
کو سر کر لیا۔ یہاں موسیٰ نے پڑاؤ ڈالا اور چھوٹے چھوٹے دستے مختلف اطراف میں بھیج دیے
ایک دستہ بحر اخضر کی ایک پہاڑی پر پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو مطیع کر لیا۔ عرب اس
سارے علاقہ میں آباد ہو گئے۔ عرب اور بربر جہاں کہیں بھی پہنچے وہاں لوگوں سے
اچھی طرح پیش آئے اور عمدہ در و بست کیا۔ اس طرح ارض اندلس میں نطاق اسلام
وسیع ہو گیا۔

اس دوران میں کہ موسیٰ فتح پہ فتح حاصل کر رہا تھا خلیفہ کا دوسرا قاصد ابو نصر پہنچا
جسے ولید نے مغیث کے پیچھے پیچھے روانہ کیا تھا۔ ابو نصر نے ولید کی طرف سے موسیٰ
کو پیام دیا کہ تم نے آنے میں تاخیر کیوں کی؟ اور پیش قدمی کیوں نہیں روکی؟ اب موسیٰ
کے لیے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا اور قلعہ لک سے اس گھاٹی کی طرف روانہ ہوا جس
کا نام ہی موسیٰ کی گھاٹی پڑ گیا ہے۔ راستہ میں دوسری سرحد سے طارق بھی واپس
آتا ہوا ملا۔ یہ سب لوگ اشبیلیہ پہنچے۔

موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا نائب بنا کر اندلس کی امارت سونپی اور
شہر اشبیلیہ کو اس کا مستقر قرار دیا کیونکہ یہ شہر سمندر کے کنارے تھا۔ اب موسیٰ
بحری راستہ سے مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ یہ ذی الحجہ کا مہینہ اور سنہ ۹۵ھ تھا۔ طارق
اس کے ساتھ تھا۔ موسیٰ نے اپنے ساتھ مال غنیمت کے چھکڑے اور اسیران جنگ
کا انبوہ جس کی تعداد تیس ہزار تھی لے لیا تھا۔ اس کے علاوہ ہیرے اور جواہرات

استنے زیادہ تھے کہ ان کی مالیت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

موسیٰ کو اس بات کا افسوس تھا کہ یک بیک میدانِ جہاد سے اسے واپس بلا لیا گیا، اس کی تمنا یہ تھی کہ بلادِ فرنگ کے باقی شہروں کو بھی سرنگوں کرے اور ارضِ کبیر کو بھی فتح کرے تا کہ شام تک براہ خشکی آمد و رفت ممکن ہو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ ارضِ فرنگ میں ایک مقام پر موسیٰ کو ایک صنم عظیم ملا جس پر عربی حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

"اے بنو اسماعیل یہ تمہاری آخری حد تھی، اب واپس جاؤ۔"

"موسیٰ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے لیکن کسی رائے پر اتفاق نہ ہو سکا، آخر اس نے کثرت کی رائے پر اتفاق کیا اور واپس چلا گیا۔"

ابن خلدون نے اندلس میں موسیٰ بن نصیر کے داخلہ کا حال یوں لکھا ہے:-

"۹۳ھ میں ایک لشکرِ گراں کے ساتھ جس میں شرفاء عرب، شرفاء بربر اور موالی شریک تھے موسیٰ قیروان سے روانہ ہوا۔ خلیج زقاق کو جو طنجہ اور جزیرہ خضرا کے درمیان تھی عبور کر کے وہ اندلس کی طرف بڑھا، پھر اسے طارق بھی مل گیا۔"

کہا جاتا ہے کہ موسیٰ نے اندلس جاتے ہوئے جس سمندر کا سفر کیا تو پہاڑ کی طرف سے گزرا جو آج کل جبل موسیٰ کے نام سے معروف ہے۔ اسی کا اہتمام کرتا ہوا وہ اندلس میں داخل ہوا۔ براہ مشرق برشلونہ پہنچا، پھر اربونہ جو قلب میں ناقع سے داخل ہوا، پھر مغرب میں صنم قادس پہنچا۔ اسے خوب کامیابی ہوئی۔ اور کافی مالِ غنیمت اس نے جمع کر لیا۔ طے یہ کیا کہ اب مشرق قسطنطنیہ کی طرف سے واپس جائے گا اور شام اور اندلس کے درمیان خشکی کا راستہ قائم کر دے گا۔ راستہ میں جو بلادِ عجم پڑیں گے جو اہلِ نصرانیہ سے ہیں ان سے جہاد کرے گا اور انہیں دارالخلافت سے ملحق کر دے گا۔

خلیفہ ولید کو اس کے گماشتوں نے جب یہ خبر پہنچائی تو وہ بہت پریشان ہوا۔ موسیٰ کے اس وسیع پروگرام نے مسلمانوں کے بارے میں اس کو مسترد کر دیا، چنانچہ اس نے سخت لب و لہجہ میں ایک خط لکھا اور حکم دیا کہ وہ واپس آجائے۔

موسیٰ کے لیے تعمیل حکم کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو عامل بنایا، اسے دشمنوں سے جہاد کی تاکید کی۔ قرطبہ کو اس کا دارالامارت قرار دیا۔ اس طرح ۹۵ھ میں قیروان واپس پہنچا، وہاں سے ۹۶ھ میں مشرق کی طرف کوچ کیا۔ اس کے ساتھ غنائم، ذخائر اور اموال بھی بے حد وافر تھے جو چھکڑوں اور مزدوروں کی پیٹھوں پر ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ موسیٰ کے ساتھ تیس ہزار اسیران جنگ بھی تھے۔ اندلس کی حکومت اس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو دی۔ اس زمانہ میں ولایت اندلس، ولایت مغرب کے ماتحت تھی، چنانچہ قیروان کا گورنر جملہ مقبوضات کا نگران تھا۔

موسیٰ سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوا، جو ولید کے بعد اسی سال میں تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔ سلیمان موسیٰ پر بہت برہم ہوا اور اسے بہت ذلیل کیا۔ خلیفہ سلیمان کے اشارہ پر عساکر اندلس نے بغاوت کی اور موسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز کو قتل کر دیا جو نہایت نیک، فاضل اور پارسا آدمی تھا جس نے بہت سے شہر فتح کر کے مملکت اسلامیہ میں شامل کر دیے تھے۔ عبدالعزیز کو قتل کرنے والا حبیب بن ابی عبیدہ الفہری تھا۔

سلیمان موسیٰ پر اس لیے برہم تھا کہ جب وہ اندلس سے کوچ کر کے مشرق کی طرف بڑھا اور مصر پہنچا تو وہاں کے اشراف و فقہا اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اسے ولید کی بیماری کی اطلاع ملی۔ اس اطلاع کے بعد موسیٰ نے سوچا کہ خلیفہ نے مجھے فوری حاضری کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جلد پہنچ جانا چاہیے۔ اسی اثنا میں سلیمان کا خط پہنچا کہ ذرا دیر کر کے آؤ، لیکن موسیٰ جلدی جلدی منزلوں پر منزلیں طے کرتا ولید کی وفات سے تین دن پہلے اس کی خدمت میں پہنچ گیا اور جو ذخائر و اموال وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔

وہ اسے پیش کر دیے۔ اس بات پر سلیمان جل گیا۔ چنانچہ ولید کی وفات کے بعد جب وہ مسند آرائے خلافت ہوا تو اس نے پورا پورا بدلہ لے لیا اور نہ صرف موسیٰ کو بلکہ اس کے سارے خاندان کو غارت کر کے رکھ دیا۔ موسیٰ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی یہ واقعہ ۹۸ھ کا ہے۔

شیخ ابو محمد بن ابی زید القیروانی کا قول ہے:

"طرابلس سے طنجہ تک کے علاقہ میں رہنے والے بربر بارہ مرتبہ مرتد ہوئے تھے۔ یہ موسیٰ بن نصیر تھا جس نے بربر کی بہت بڑی تعداد کو راہ جہاد میں لا ڈالا، اس کے بعد پھر ارتداد کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور مغرب (افریقیہ) اسلام کا مستقر بن گیا، بربر اسلام کے ہر حکم کو بے چون و چرا ماننے لگے اور اسے بالکل بھول گئے کہ مرتد ہو جانا ان کی عادت میں داخل تھا۔"

ابن عذاری نے اپنی کتاب "المغرب فی اخبار ملوک الاندلس والمغرب" میں لکھا ہے:

"۹۶ھ کے ماہ جمادی الآخر میں ولید بن عبد الملک کا انتقال ہوا اور سلیمان تخت خلافت پر بیٹھا اور موسیٰ سے انتقام لینے پر تل گیا۔ شدید دھوپ میں بڑی دیر تک اسے کھڑا رکھا، وہ بوڑھا آدمی تپتی ہوئی دھوپ کی تاب نہ لا سکا جب تک ہوسکا کھڑا رہا، پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔"

جب ہوش میں آیا تو سلیمان نے کہا:

"میں نے تجھے لکھا تھا کہ آنے میں تاخیر کر لیکن تو نے پروا نہ کی اور

ایک لاکھ دینار دو۔

موسیٰ نے جواب دیا۔

"یا امیرالمومنین! میرے پاس جو کچھ بھی مال و منال تھا وہ آپ نے لے لیا، اب میں ایک لاکھ دینار کہاں سے لاؤں"؟

سلیمان نے کہا:

"اب تمہیں دو لاکھ دینار دینا پڑیں گے۔"

موسیٰ نے پھر معذرت کی۔

سلیمان نے کہا:

"تین لاکھ دینار دو ورنہ بدترین سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

سلیمان نے موسیٰ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

موسیٰ نے یزید بن مہلب سے مدد چاہی جس کا سلیمان پر خاصا اثر تھا، اسے اس پر آمادہ کیا کہ جو کچھ موسیٰ دے سکے وہ لے لیا جائے۔

اس کے بعد یزید نے رات موسیٰ کے ساتھ گزاری اور اس سے کہا:

"اے ابو عبدالرحمٰن! کیا تم، تمہارے اہل خاندان، موالی اور خدام ایک ہزار دینار بھی نہیں دے سکتے"؟

موسیٰ نے کہا:

"یہ سب مل کر تو ایک لاکھ ہی دے سکتے ہیں۔"

مہلب نے اُسے پرچاتے ہوئے کہا:

"پھر اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالتے ہو، کیا تمہیں اپنی عزت اور آبرو پیاری نہیں ہے"؟

موسیٰ نے جواب دیا:

"خدا کی قسم اگر میں ارادہ کرتا تو یہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے،
لیکن میں خدا سے ڈرا اور حلقۂ اطاعت سے باہر نہیں نکلا"

میں کہتا ہوں کہ سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر جیسے خادمِ اسلام اور رجلِ عظیم کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ اس لیے اور زیادہ افسوس ناک ہے کہ موسیٰ بن نصیر کو مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا جس کا شمار در حقیقت اعاظم رجالِ اسلام میں ہوتا ہے بلکہ بجا طور پر اعاظم رجالِ عالم میں ہونا چاہیے۔ یہی وہ شخص تھا جس نے اپنی حکمتِ عملی اور شہامت سے بربروں کو اسلام کا مطیع بنا دیا جو بغاوت کے خوگر وارتداد کے عادی تھے۔ یہ موسیٰ بن نصیر وہی شخص ہے جو پچھتر برس کی عمر میں فوجوں کی کمان کرتا ہوا اندلس میں داخل ہوا۔ اس نے ایک ایک شہر کو اسلام کا مطیع اور مملکتِ اسلامیہ کا حصہ بنا دیا حالانکہ اس کے اور طارق کے لشکر کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ یہ معرکہ اتنا سخت تھا کہ تین لاکھ سپاہ بھی کوئی سال بھر اندلس کو اتنی کامیابی کے ساتھ اور اس مختصر مدت میں دشمن کے بحر بیکراں کا مقابلہ کرتے ہوئے موسیٰ بن نصیر کے سوا فتح نہیں کر سکتا تھا۔ یہ موسیٰ بن نصیر وہ شخص تھا جس کی ہمتِ عالی کی مثال نفوسِ بشریہ میں کم ملتی ہے جس کے عزم و ہمت کا یہ عالم کہ صرف فتح اندلس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ارضِ فرنگ کو چیر کر خشکی کا راستہ مغرب سے مشرق تک بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں نے امام ذہبی کی تاریخ "دول الاسلام" میں پڑھا ہے کہ موسیٰ بن نصیرؒ اٹھتر برس کی عمر میں وادی قریٰ میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ وہ کہا کرتا تھا:

"اگر میرا لشکر میرا ساتھ دیتا تو میں روم بھی فتح کر لیتا۔"

ابن حذاری کا بیان ہے کہ مغرب اور اندلس کی امارت پر تقریباً اٹھارہ برس تک موسیٰ بن نصیر فائز رہا۔

سلیمان نے موسیٰ کو ذلیل اور برباد کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا اس کی ساری اولاد کو دانۂ مرگ چکھا دیا۔ اس کے حکم سے امیر افریقہ محمد بن یزید نے عبداللہ بن موسیٰ بن نصیر کو گرفتار کر لیا۔ اسے ہولناک اذیتیں دیں۔ اس خاندان کے ہر فرد کا مال و دولت چھین لیا۔ عبداللہ کو جیل میں ڈال دیا۔ دردناک عذاب دیئے اور بالآخر اسے قتل کر دیا۔

عبدالعزیز بن موسیٰ کے اسباب قتل کے بارے میں کثیر اور مختلف روایتیں ہیں۔ ان میں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اسے جب اپنے باپ بھائی اور اہل بیت کا انجام معلوم ہوا تو مروان کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ سلیمان نے اندلس کے امراءِ عرب کو اس کے قتل کا حکم دیا چنانچہ ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کا نیز اس کے بھائی عبداللہ کا سر کاٹ کر خلیفہ کی خدمت میں دمشق بھیج دیا اور یہ دونوں کٹے ہوئے سر جبکہ موسیٰ مبتلائے عذاب تھا اس کے سامنے رکھ دیئے۔

ابن عذاری کہتا ہے :

"موسیٰ کے ساتھ سلیمان کا یہ سلوک حد درجہ بیہودہ تھا۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ ابن عذاری کی لغویت ہے کہ وہ سلیمان کے اعمال کو صرف بیہودگی سے تعبیر کرتا ہے۔ درحقیقت یہ اس کا ایسا جرم ہے جو کبھی بخشا نہیں جا سکتا۔

اس موقع پر ہم یہ بات بھی فراموش نہیں کر سکتے کہ طارق بن زیاد نے اندلس میں جب فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو یہ بات موسیٰ کو اس لیے ناگوار گزری کہ وہ اس سے بازی لے گیا۔ پھر سرزمین اندلس پر جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے طارق کی توہین بھی کی۔ یہ چھوٹی سی بات موسیٰ جیسے بڑے شخص کو زیب نہیں دیتی تھی۔ طارق نے اس بات کی خلیفہ سے شکایت کی۔ مغیث رومی نے اس کی تائید کی۔

آخبار مجموعۃ فی فتح الاندلس وذکر امرائھا رحمھم اللہ

والحروب الواقعۃ بینھم۔ یہ کتاب تواریخ اندلس میں قدیم ترین کتاب ہے
اس کتاب کے مصنف نے مستنصر بن عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ میں قلمبند کی تھی۔[۲۱]

اخبار مجموعہ کے مصنف نے لکھا ہے:

"موسیٰ ۹۳ھ[۲۲] میں بارہ ہزار سپاہ کے ساتھ سرزمین اندلس میں داخل ہوا۔
اسے طارق کی کارگزاریوں کا جب علم ہوا تو وہ طارق سے حسد کرنے
لگا۔ جب وہ جزیرہ میں داخل ہوا تو اس سے کہا گیا۔ طارق کے راستہ
پر آپ کو بھی چلنا چاہیے۔"

موسیٰ نے کہا:

"نہیں، میں دوسرا راستہ اختیار کروں گا۔"

راستہ بتانے والے جو لوگ ساتھ تھے انھوں نے کہا:

"ہم آپ کو ایسے راستہ پر لے چلیں گے اور ایسے شہروں کا رخ کریں گے۔
جو طارق کے فتح کیے ہوئے شہروں سے کہیں زیادہ بڑے اور عظیم ہیں۔"

یہ سن کر موسیٰ کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا، گویا طارق کی فتح مندیوں نے اسے
مبتلائے الم کر دیا تھا۔ موسیٰ شہر شذونہ پر حملہ آور ہوا اور اسے بزور شمشیر فتح کر لیا، پھر شہر
قرمونہ[۲۳] کی طرف بڑھا۔ رہنما نے جو موسیٰ کو راستہ بتاتا آرہا تھا کہا:

"اندلس میں اس سے بڑھ کر مضبوط اور مستحکم کوئی دوسرا شہر نہیں ہے،
آپ محاصرہ کریں یا جنگ ہر حالت میں سخت دشواریاں پیش آئیں
گی، ہاں بغیر جنگ کے کوئی صورت بن پڑے تو بات اور ہے۔"

موسیٰ نے اندلس کے جن رہنے والوں کو امن عطا کر دیا تھا وہ لوگ اس کے اشارہ
سے شہر میں داخل ہو گئے اور رات کو انھوں نے قرطبہ کا دروازہ کھول دیا۔ ہوا یہ قرمونہ

یمن سے تھا، پھر تو مسلمان بڑی آسانی سے قرمونہ میں داخل ہو گئے ۔

یہاں سے فارغ ہو کر موسیٰ اشبیلیہ کی طرف بڑھا جو اندلس کا سب سے بڑا شہر تھا، انتہائی مضبوط و مستحکم اور بے انتہا شاندار اور پُر بہار، ایک زمانہ میں یہ دارالحکومت بھی رہ چکا تھا پھر جب گوتھ غالب آئے تو انہوں نے طلیطلہ کو دارالحکومت بنا لیا، پھر بھی دولت وعمارت اور علم و سیاست کے اعتبار سے اشبیلیہ کی ہمسری کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا اس کے بعد اسے فتح کر لیا اور یہاں کے کافر باشندے شہر باجہ کی طرف بھاگ گئے۔ موسیٰ نے یہاں کا انتظام یہودیوں کے حوالہ کیا۔ اور خود شہر ماردہ کی طرف بڑھ گیا۔

شہر ماردہ بھی بعض ملوک اندلس کا پایۂ تخت رہ چکا تھا یہاں کے شاندار آثار عظیم الشان پُل، فلک رفعت محلات اور بلند و بالا کنائس کی تعریف نہیں ہو سکتی، موسیٰ نے اس شہر کا محاصرہ کیا جب شہر کی سپاہ باہر نکلی تو موسیٰ نے تیزی سے حملہ کر دیا، اب یہ شہر کے لوگ شہر پناہ کی دیواروں پر کھڑے ہو کر جنگ کرنے لگے، گھمسان کا رن پڑا، اسی اثنا میں موسیٰ کی نظر ایک غار پر پڑی، رات کو اس نے فوج کے کچھ سپاہی اور گھوڑے اس میں چھپا دیے، دوسرے دن صبح کو شہر والوں نے جب پھر موسیٰ کے لشکر پر حملہ کیا تو یہ لوگ جو غار میں چھپے ہوئے تھے نکلے اور ٹوٹ پڑے۔ کافی کشت و خون کے بعد یہ لوگ پھر شہر بھاگ گئے۔ یہ اتنا مستحکم باغ تھا اور اس کی دیواریں اتنی مضبوط تھیں کہ ان کی مثال نہیں مل سکتی، پھر کئی مہینے تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔

آخر موسیٰ کے حکم سے ایک دبابہ[۲۲] تیار کیا گیا جس کی آڑ میں مسلمان ایک برج کے نیچے پہنچے، یہاں انہوں نے فصیل کے پتھر اکھیڑنا شروع کیے، دشمن کا حملہ مسلسل جاری تھا لیکن مسلمان بھی اپنے کام میں لگے ہوئے تھے، اس موقع پر مسلمان بہت بڑی تعداد

میں شہید ہوئے چنانچہ اس برج کا نام بھی برج شہید پڑ گیا۔ اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کے شہید ہو چکنے کے بعد بھی شہر فتح نہ ہو سکا۔ جو کافر جماسا تھ تھا اس نے کہا کہ ہم نے فصیل میں کافی دراڑیں ڈال دیں اور برج کا کافی حصہ توڑ دیا ہے۔ اگر یہ لوگ کسی دن صلح کی بات چیت پر راضی ہو سکتے ہیں تو بس آج ہی، کیونکہ یہ بھی کافی نقصان اٹھا چکے ہیں چنانچہ واقعی وہ لوگ گفتگو صلح کے لیے موسیٰ کے پاس آئے، انہوں نے دیکھا کہ اس کی داڑھی سفید ہے جو شرائط صلح ان لوگوں نے پیش کیے موسیٰ نے نامنظور کر دیا، یہ لوگ واپس چلے گئے۔ عید سے ایک دن پہلے یہ لوگ پھر صلح کی سلسلہ جنبانی کے لیے آئے۔ آج موسیٰ کی داڑھی مہندی سے رنگی ہوئی تھی، ان لوگوں نے دیکھا کل جس کی سفید داڑھی تھی آج سرخ ہے، بہت متعجب ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: کیا یہ شخص آدمی کا خون پیتا ہے کہ اس کی داڑھی سرخ ہو گئی! پھر واپس چلے گئے کیونکہ بات طے نہ ہو سکی، عید کے دن صبح صبح پھر آئے آج موسیٰ کی داڑھی کالی تھی یہ لوگ اہل شہر کے پاس واپس گئے، اور کہا کمبختو تم لوگ انبیاء سے لڑ رہے ہو، یہ لوگ اپنے آپ کو جس طرح چاہتے بنا لیتے ہیں، ان کا سردار جو کل تک بڈھا تھا آج جوان بن گیا ہے، چلو اس بلا کو جس طرح چاہو ٹالو، چنانچہ اس بات پر صلح ہو گئی کہ دشمن کے مقتولین اور مفرورین کا تمام مال مسلمانوں کا، کنائس کے اموال چڑھاوے اور چاندی باشندگان شہر کے، اس طرح ۹۴ھ میں عید کے دن یہ شہر بھی فتح ہو گیا۔

اس کے بعد موسیٰ کو اطلاع ملی کہ اشبیلیہ کے لوگوں نے وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ دھوکا کیا اور انہیں قتل کر دیا، شہر باجہ میں بھی یہی صورت پیش آئی، اس طرح اسی مسلمان قتل ہو گئے، موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ایک فوج دے کر اشبیلیہ کی طرف بھیجا، وہ فتح کر کے جلد واپس آ گیا۔ پھر شوال کے بعد موسیٰ ماردہ سے طلیطلہ کی طرف روانہ ہوا۔

طارق کو جب موسیٰ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ اس کے استقبال کے لیے

راستہ میں آملا اور آقا کو دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑا، موسیٰ کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا، وہ اس نے اس کے سر پر لگایا اور کہا:

"تم نے میری رائے کے خلاف کیوں عمل کیا؟"

پھر طارق کے ساتھ طلیطلہ گیا اور اس سے کہا، جو کچھ مال غنیمت اور فائدہ[۲۵] تم نے جمع کیا ہے وہ حاضر کرو۔"

اخبار مجموعہ کی عبارت ختم ہوئی۔

اس عبارت سے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے:

(۱) عبدالعزیز کا قتل سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے نہیں ہوا تھا جیسا کہ اکثر مورخین کہتے ہیں۔

(۲) صاحب کتاب نے یہ بھی نہیں بیان کیا ہے کہ عبدالعزیز اپنے باپ کے ساتھ خلیفہ کی بدسلوکی کا حال سن کر اطاعت سے منحرف ہو گیا تھا۔

۱۔ موسیٰ بن نصیر کا رشتہ ولاء لخم سے تھا، ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی، ۱۹ھ میں بعہد حضرت عمرؓ پیدا ہوئے۔

۲۔ ابن خلکان کا قول ہے کہ موسیٰ عاقل اور کریم، شجاع اور متقی تھے، ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، تمیم داری سے انہوں نے روایت کی ہے۔ ۸۹ھ میں ولایت افریقہ پر ولید بن عبدالملک کے حکم سے فائز ہوئے، یہی ہیں جنہوں نے حروب شدیدہ کے بعد بربر کو امن و ضبط کا خوگر بنایا، پھر جب یہ لوگ مغرب اقصیٰ کا سارا علاقہ فتح کر لیا تو اپنے غلام طارق بن زیاد کو انہیں

ہزار سپاہ دے کر طنجہ کا گورنر بنا دیا، یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اب بڑی خوبی سے اسلام پر قائم تھے، بعض عربوں کو قرآن اور فرائض اسلام کی تعلیم دینے کے لیے موسیٰ اپنے افریقی صدر مقام یعنی تونس میں واپس آ گیا جملہ بلاد مغرب دل و جان سے ان کے مطیع تھے، پھر کچھ عرصہ کے بعد موسیٰ نے طارق کو فتح اندلس پر مامور کیا۔

سنہ ۹۸ھ میں وادی قرہ میں موسیٰ کا انتقال ہوا، اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی، فتح اندلس کے وقت یہ تہتر سال کے تھے۔

---

۲ (RODRIQUE) عرب اس کا تلفظ لذریق سے کرتے ہیں۔ یہ لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا، اس کا سر کاٹ کر خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔
اخبار مجموعہ کی روایت یہ ہے میدان جنگ سے یہ غائب ہو گیا اور پھر پتہ نہیں چلا کہ کہاں گیا۔ مسلمانوں کے قبضہ میں اس کا سفید گھوڑا آیا۔

---

۳ (ROUSSILLAN) ۴ (LANYUEDOC) ۵ (PROUENCE)

۶ (TARIFA)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ لذریق مردہ یا زندہ کسی حالت میں بھی ہاتھ نہیں آیا۔

طارق بن زیاد ایک بربر جنگی قیدی تھا، موسیٰ بن نصیر نے اسے اپنا غلام بنا لیا تھا، بعد میں طارق طنجہ اور مغرب اقصیٰ کا گورنر بن گیا، یہ واقعہ سنہ ۸۵ھ کا ہے، اس زمانہ تک مغرب اقصیٰ میں اسلام پورے طور پر پھیل چکا تھا۔

(ابن غازی)

۹۔ ۶۱۶ء میں کلیسا کی طرف سے بادشاہ سیس بوت (SISEBUTE) کے زمانہ میں یہودیوں کو ایک سال کی مہلت دی گئی کہ وہ عیسائی مذہب قبول کر لیں، اگر اس مدت کے گزرنے کے بعد وہ عیسائی نہ بنے تو ان کا مال ضبط کر لیا جائے گا۔ سو کوڑے ہر شخص کو مارے جائیں گے اور جلا وطن کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس اعلان کی دہشت سے نوّے ہزار یہودیوں کو عیسائی بنا دیا، لیکن مذہب کی یہ تبدیلی صرف ظاہری تھی۔ پوشیدہ طور پر یہ لوگ اپنی اولاد کا ختنہ بھی کرتے تھے اور دین موسیٰ پر عمل بھی۔ اس کا توڑ راہبوں کی چوتھی مجلس نے جو طلیطلہ میں ہوتی تھی یہ کیا کہ یہودی اپنے بچوں کو کلیسا کے حوالے کر دیں تاکہ ان کی صحیح عیسائی فضا میں تربیت کی جا سکے۔

اس کے بعد راہبوں کی چھٹی مجلس نے کچھ اور پابندیاں عائد کیں، لیکن ان دشواریوں کو سہتے ہوئے بھی یہودی اپنے مذہب پر قائم رہے، اسّی سال تک پیہم اور مسلسل عیسائی آبادی انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتی رہی، آخر یہ آمادۂ بغاوت ہو گئے، اس کے بعد راہبوں کی مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ تمام یہودیوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کی تمام املاک ضبط کر لی جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے یہودی تعلقہ اپنے غلاموں کے غلام بننے پر مجبور ہو گئے، ان غلام یہودیوں کے لیے بھی یہ طے پایا کہ ان کا جو بچہ نویں سال میں قدم رکھے وہ کلیسا کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اس کی عیسائی فضا میں پرورش ہو سکے، ایک اور حکم یہ نافذ ہوا کہ کوئی یہودی کسی یہودی عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ بلکہ غلام بننے کے بعد ہر یہودی کے لیے لازم قرار پایا کہ وہ کسی مسیحی باندی سے

شادی کرے اور ہر یہودی باندی کے لیے یہ لازم ہو گیا کہ وہ کسی عیسائی غلام سے شادی کرے۔"

مذکورہ عبارت ڈوزی (DOZY) مشہور ولندیزی مستشرق کی کتاب سے لی گئی ہے۔ آگے چل کر وہ کہتا ہے :

"مسلمانوں نے جب ہسپانیہ کو فتح کیا تو یہودی دردناک عذاب میں مبتلا تھے، مسلمانوں نے انہیں غلامی کے پنجے سے چھڑایا، ان کے لیے حریت تامہ کا اعلان کیا اور انہیں اجازت دی کہ اپنے شعائر دینی پر عمل کریں، یہی وجہ تھی کہ ہسپانیہ کے تمام یہودی غلام اور درماندہ لوگ اسلام کے سب سے بڑے انصار بن گئے۔"

نلہ نفح الطیب میں ہے کہ رجب سنہ ۹۳ھ میں موسیٰ افریقیہ سے اندلس روانہ ہوئے اور افریقہ کی امارت اپنے سب سے بڑے بیٹے عبداللہ کے حوالہ کر گئے۔

للہ نفح الطیب میں ہے کہ اصاغر صحابہ میں سے جو صحابی اندلس میں داخل ہوئے تھے، ان کا نام منذر تھا۔

جو تابعی داخل اندلس ہوئے وہ تین تھے :

(۱) امیر موسیٰ بن نصیر،

(۲) علی بن رباح اللخمی،

(۳) حیات بن رجاء تمیمی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ تیسرے تابعی حنش صنعانی تھے ان کا سر قسطہ پر ا

ہوا، وہیں ان کی قبر بنی جس نے زیارت گاہ کی صورت اختیار کر لی۔

۱۲؎ (MARIDA)

۱۳؎ اس شہر کا اصلی نام سالدویہ تھا۔ رومیوں کے زمانہ میں بادشاہ اگسٹس (CEZAR AUGUSTEC) یعنی سیزر اگسٹس اس کا نام پڑ گیا، عربوں نے اسے سرقسطہ بنا لیا۔
۱۹۳۰ء میں ان سطروں کا راقم جون کے آخر میں اس شہر میں پہنچا اور یہاں کے آثار دیکھے، جن میں خاص طور پر قابل ذکر قصر جعفریہ ہے جو ابوجعفر احمد کی طرف منسوب ہے، یہ گیارھویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوا تھا۔ اس کی جامع مسجد اب تک محفوظ ہے، جو اب کلیسا میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس کے دروازوں اور دیواروں پر عربی صنعت کے نمونے اب بھی موجود ہیں۔ اس کلیسا کا گنبد جو درحقیقت مسجد کا گنبد ہے زرد رنگ سے کا بنا ہوا ہے۔ اس کا بنانے والا عربی انجینئر رامی تھا، یہاں ایسی ایسی عجیب و غریب چیزیں ہیں جنہیں دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے، یہاں کے لوگوں کی زبان پر بعض عربی الفاظ اب بھی چڑھے ہوئے ہیں۔ فی الحال اس کی آبادی ایک لاکھ دس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔

۱۴؎ (NARBONNE) عرب اس کو اربونہ کہتے ہیں۔ ۱۹۳۰ء کے اوائل ستمبر میں میں اس شہر کی سیاحت کا بھی مجھے موقع ملا، یہاں کی گلیاں اور کوچے اور گھر بڑی حد تک عربی شہروں سے مماثلت رکھتے ہیں، یہاں میں نے وہ درخت بھی دیکھے جو بلاد عربیہ میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً انجیر وغیرہ، یہاں

کی ایک گلی کا نام سمح (ZAMA) ہے جو سمح بن مالک الخولانی کے نام سے منسوب ہے۔ یہاں کے باشندوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد نہیں۔

۱۵ھ ابن حیان کی روایت ہے کہ سانت ماری (سینٹ میری) کے گرجا میں خالص چاندی کے سات بڑے بڑے ستون جو شاید ہی کسی نے دیکھے ہوں موجود تھے۔ ان کے طول مفرد کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انسان دونوں بازو پھیلا کر ایک نقرئی ستون کو بھی اپنے گھیرے میں نہیں لا سکتا۔

۱۶ھ (CHARLES MARTEL) ۱۷ھ (PEPIN)

۱۸ھ یہ بڑا جنگجو بادشاہ تھا، کئی معرکے اس نے سر کیے۔ اس کی سکسنوں سے کئی لڑائیاں ہوئیں، آخر یہ قوم اس کی مطیع ہو گئی اور مذہب مسیحی بھی اس نے قبول کر لیا۔
قرون وسطیٰ کے مغربی بادشاہوں میں یہ بہت بڑا بادشاہ تھا۔
شارلیمان نے عرصۂ دراز تک مسلسل عربوں سے بحری اور بری جنگ جاری رکھی اور انہیں جزیرۂ کارسیکا اور سوڈانیہ سے نکال دیا۔

۱۹ھ یہ قصہ مشتبہ ہے، موسیٰ جیسا شخص ایسے توہمات کا قائل نہیں تھا۔

۲۰ھ کتاب "بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس" میں ابن عمیرہ نے عبدالعزیز بن موسیٰ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:
"موسیٰ نے اسے اندلس میں اپنا جانشین بنا دیا تھا، جبکہ وہ شام جا رہا تھا، پھر

سلیمان بن عبدالملک کے اشارہ پر اسے قتل کر دیا گیا اور اس کا سر دمشق بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ ۹۹ھ کا ہے۔ سلیمان بن عبدالملک کے پاس جب عبدالعزیز کا سر آیا تو موسیٰ بن نصیر موجود تھا۔ سلیمان نے اس سے پوچھا۔

"کیا اسے پہچانتے ہو؟"

موسیٰ نے جواب دیا۔

"ہاں! میں اسے پہچانتا ہوں، یہ شب زندہ دار تھا، کثرت سے روزے رکھا کرتا تھا۔"

---

۲۱ دوزی کہتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں عربوں نے ہسپانیہ پر اپنے استیلاء کی کوئی تاریخ نہیں لکھی، اس لیے کہ عرب روایات لسانی پر اعتماد کرتے تھے اور واقعی ان کی قوت حافظہ تھی بھی غیر معمولی۔ دنیا کی کوئی قوم بھی وقائع وسنین اور اعلام و انساب بغیر کسی ضیاع و تحریف کے یاد رکھنے میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، پھر جب وہ کتب تاریخ کی طرف متوجہ ہوئے تو انھوں نے دیانت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ لہٰذا اخبار مجموعہ جیسی قدیم ترین تاریخ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی اور میں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوا کہ اس سے پہلے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔

---

۲۲ یہ تعداد مقری کی روایت سے مختلف ہے۔ اس نے دس ہزار کی تعداد لکھی ہے۔

---

۲۳ سنہ ۱۹۳۰ء میں اپنی سیاحت اندلس کے دوران میں میں نے اس شہر کی اور اس کے آثار و حصون کی زیارت کی ہے جو اب کھنڈر بن چکے ہیں۔

۲۴ؔ یہ ایک قسم کا آلہ ہوتا ہے جس کے جوف میں بیٹھ کر آتش باری یا سنگ باری کرتے ہوئے دشمن کے قلعہ کی طرف بڑھتے ہیں ۔

۲۵ؔ یہ مائدہ طلیطلہ میں ملا تھا، آگے چل کر جب فتح طلیطلہ کی داستان ہم بیان کریں گے۔ تب اس کا ذکر بھی تفصیل سے کریں گے ۔

جنوبی فرانس
پر
عربوں کا استیلاء

رینو نے جنوبی فرانس پر غارت عرب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب فرانس کے لیے ایک مستقل اور ہولناک فتنہ بن گئے تھے، آگے چل کر اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت عربوں کی کوشش یہ تھی کہ جس طرح جلد ممکن ہو قسطنطنیہ کو فتح کر لیں چنانچہ تقریباً سوا لاکھ سپاہیوں کا ایک لشکر اور ڈیڑھ ہزار سے زیادہ کشتیوں کا ایک بحری بیڑا اس مقصد کے لیے روانہ ہُوا، اگر مشرقی یورپ پر وہ اپنی ساری توجہ مرکوز نہ کر دیتے تو بلاشبہ مغربی یورپ کی خیر نہ تھی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس طرف بھی ان کے چھاپے پڑتے رہتے تھے۔ چنانچہ بعض عرب مورخین نے بتایا ہے کہ ۱۱۸ھ میں جب ثقفی کا عہد ولایت تھا، انعدوق پر عربوں نے حملے کیے؛

اس روایت کی تائید باشیہ کا اسقف ایزی دُور بھی کرتا ہے، یہ مورخ اس عہد میں موجود تھا، اسی طرح طلیطلہ کا مطران لذریق شمینیس اس روایت کی تائید کرتا ہے وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"عرب حملہ آور مقام نیم تک پہنچ گئے، کوئی ان کی مقاومت نہ کر سکا آخر کار مال غنیمت اور اسیران جنگ کی کثیر تعداد لے کر وہ واپس گئے۔"

رینو کہتا ہے:

جنوبی فرانس کے جن علاقوں پر جبال بیرانہ سے نکل کر عرب شاہسوار حملہ آور ہوتے تھے۔ ان کے مقابلہ کی سکت کسی میں نہ ہوتی تھی، اس زمانہ میں وہاں حکومت کسالی قائم تھی، اس حکومت کو قوطیہ (GOTIE) بھی کہتے تھے۔ کیونکہ قوم گوتھ ایک عرصہ دراز تک یہاں مقیم رہی تھی، اس کا دوسرا نام سبعیہ بھی تھا کیونکہ یہ سات شہروں پر مشتمل تھی جو یہ تھے:

اربونہ، نیم، واقد، بیزنیہ، لودلیف، قرقشونہ اور ماقلونہ۔

جنوبی فرانس کو عربوں کے تسلط سے بچ جانے کے کئی قدرتی مواقع میسر آگئے۔ اسپین کی عربی حکومت کا مرجع افریقہ کا مقام قیروان تھا اور حکومت افریقہ دارالخلافت دمشق سے وابستہ تھی، ان حالات میں یہ ممکن نہ تھا کہ مرکزیت پورے طور پر قائم رہ سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مراکز میں تعدد پیدا ہو گیا اور نظام میں ابتری واقع ہو گئی۔ پھر دوسری بات یہ ہوئی کہ عرب اور بربر آپس میں لڑنے لگے اور ارض مفتوحہ طماعوں اور موقع پرستوں کے ہاتھ آ گئی۔ آخر اس نزاع نے قتال باہمی کی صورت اختیار کر لی، اس صورت حال نے فرانس کو خطرات سے بچا لیا اور دوسری طرف اسپین کی مسیحی جماعتیں دین و وطن کے دفاع کے نام پر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انھوں نے جبال

آستوریہ، غالیسیہ اور نابار میں پناہ لی اور یہیں سے شورش اور بغاوت کا آغاز کیا اور آخر کار یہ تحریک ان بلاد سے مسلمانوں کی جلاوطنی پر منتج ہوئی۔

نئے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو اندلس میں عربوں کے پیکار باہمی کی کیفیت جب معلوم ہوئی تو انہوں نے سمح بن مالک الخولانی کو امیر اندلس بنا کر بھیجا کہ اصلاح امور کا اور حفاظت ثغور کا فریضہ انجام دیں۔

سمح گوناگوں فضائل کے مالک تھے، دور اندیش، مدبر، سالار فوج، بہادر، سیاستدان، محتاط اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معاملات و امور کے سرانجام دینے میں بے انتہا ہوشیار!

سمح نے آتے ہی کایا پلٹ دی، آمد و خرچ کا توازن درست کیا، فوج کے سپاہیوں کو بیش قرار عطیات دیئے، دوسرے مستحقین کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا۔

خلیفہ نے سمح کو حکم دیا تھا کہ بہت جلد بلاد مفتوحہ سے متعلق اور وہاں کے باشندوں کے عادات و اطوار سے متعلق مفصل رپورٹ ان کی خدمت میں پیش کریں تاکہ اندلس کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کر سکیں، کیونکہ عمر بن عبدالعزیز کو اسلام کے بارے میں دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں اسے دیار غیر میں گزند سے دوچار نہ ہونا پڑے انہیں اس بات کی بھی بڑی فکر تھی کہ مسیحیوں کی بہت بڑی تعداد ان بلاد میں آباد اور موجود ہے جو مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ایک روز خطرناک ثابت ہو سکتی ہے چنانچہ ان کا خیال تھا کہ اسپین اور جنوبی فرانس کے مسیحیوں کو افریقہ میں منتقل کر دیا جائے تاکہ ان کا وجود کسی موقع پر بھی حکومت اسلامیہ کے لیے خطرناک نہ ہو سکے۔

لیکن سمح نے خلیفہ کو مطمئن کر دیا، اور ان کے اندیشوں کو بے بنیاد قرار دیا۔ انہوں نے خلیفہ کو لکھا:۔

" اسلام نہایت تیزی کے ساتھ سرزمین اندلس پر فروغ حاصل کر رہا ہے، وہ دن دور نہیں کہ یہ تمام بلاد دین محمدؐ کے تابع بن جائیں گے۔"

بعض مورخین عرب نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ سمح بن مالک الخولانی نے اس معاملہ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی رائے پر عمل نہ کر کے بہت بڑی غلطی کی۔

مذکورہ بالا عبارت مستشرق رینو کی تھی۔

اب ہم رینو کے پیش کردہ خیالات کا مقابلہ اسپانیول اور فرنگ کے مورخین کی ان تحریروں سے کریں گے جو انہوں نے عرب مورخین کی تحقیق کو پیش نظر رکھ کر سپرد قلم کی ہیں، تاکہ صورت حال زیادہ واضح ہو سکے۔

مقری نے نفح الطیب میں ابن حیان سے روایت کی ہے:۔

" موسیٰ بن نصیر نے طارق پر خفگی کا اظہار کرنے کے بعد سے معاف کر دیا، نہ صرف معاف کیا بلکہ عزت افزائی کے طور پر اسے حکم دیا کہ وہ آگے آگے چلے، موسیٰ اپنی فوج کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے، یہاں تک کہ سرحد اعلیٰ تک پہنچ گئے اور سرقسطہ اور اس کے مضافات کو فتح

کر لیا، طارق آگے آگے جا رہا تھا، یہ دونوں جس جگہ سے بھی گزرتے اُسے فتح کر کے دم لیتے، اور وہاں سے خوب مالِ غنیمت حاصل کرتے۔ کافروں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ایسا رعب ڈال دیا تھا کہ کوئی ان کا سامنا نہ کر سکا، سوا اس کے جو التجاءِ صلح لے کر آیا۔

موسیٰ طارق کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے اور ان تمام معاہدوں کی توثیق کرتے آئے تھے جو ہو چکے تھے۔ یہاں جب پورے طور پر امن وامان قائم ہو گیا اور مسلمانوں کے قدم جم گئے تو مسلمان سرزمین فرنگ[۱۵] کی طرف بڑھے اور فتح کرتے، مالِ غنیمت حاصل کرتے وادی ردونہ[۱۶] تک پہنچ گئے، یہ وہ بعید ترین مقام تھا جہاں تک عرب پہنچ گئے۔ طارق کے بھیجے ہوئے فوجی دستے بھی فتوحات حاصل کر رہے تھے چنانچہ پرشلونہ[۱۷]، اربونہ[۱۸]، ایی نیون[۱۹] اور قلعہ لودن[۲۰] کو فتح کر لیا گیا۔ اندرونِ فرنگ میں مسلمان اتنا آگے بڑھ گئے کہ جس ساحل سے وہ داخل ہوئے تھے وہ بہت دور ہو گیا، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرطبہ اور اربونہ کے مابین جو مسافت تھی وہ تین سو بتیس اور اور القول بعض تین سو پچاس فرسخ تھے"۔

ابن حیان کی اس تحریر سے دیارِ فرنگ پر غزوات عرب کا ایک اجمالی بیان نظر کے سامنے آجاتا ہے جو موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد سے لے کر عبدالرحمٰن غافقی کے عہد تک محیط ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سرزمین فرنگ پر فتح اندلس کے فوراً بعد ہی عربوں نے چھاپے مارنا شروع کر دیے تھے، اگرچہ مورخین فرنگ ان کا سلسلہ سنہ

بن مالک الخولانی کے عہد سے پہلے نہیں شروع کرتے لیکن دو اور مسیحی مورخ ایدریزاور شیمینیس مطران طلیطلہ جن میں سے اول الذکر مسلمانوں کے زمانہ فتح کا بچشم خود گواہ ہے حر ثقفی کے زمانہ میں فرانس پر عربوں کی غارت گری کا ذکر کرتے ہیں، حر اس وقت اندلس کا امیر بنا تھا جب عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر کو اہل فوج نے قتل کر دیا تھا۔

نفح الطیب میں ابن خلدون کے حوالہ سے یہ منقول ہے کہ محمد بن یزید کو جو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے افریقہ کا گورنر تھا جب عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر کی ہلاکت کی اطلاع ملی تو اس نے حر بن عبدالرحمٰن کو امیر اندلس بنا کر بھیج دیا۔
نفح الطیب جزء اول میں امراء اندلس کی جو فہرست درج ہے وہ یہ ہے :۔

(۱) طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر۔

(۲) موسیٰ بن نصیر۔
موسیٰ بن نصیر اور طارق میں سے کسی نے بھی حکومت کا کوئی خاص پایہ تخت متعین نہیں کیا۔

(۳) عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر۔ اس نے اشبیلیہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔

(۴) ایوب بن حبیب اللخمی۔ اس کا صدر مقام قرطبہ تھا، اور اس کے بعد مستقل طور پر قرطبہ، الزہرا اور الزاہرہ دولت بنو مروان کے اختتام تک صدر مقام بنے رہے۔

(۵) حر بن عبدالرحمٰن الثقفی

(۶) سمح بن مالک الخولانی۔

(۷) عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی۔

(۸) عنبسہ بن سحیم الکلبی۔

(۹) عذرہ بن عبداللہ الفہری

(۱۰) یحییٰ بن سلمی الکلبی

(۱۱) عثمان ابن ابی نسعہ الخثعمی

(۱۲) حذیفہ بن الاحوص القیسی

(۱۳) ہیثم بن عبید الکلابی

(۱۴) محمد بن عبداللہ الاشجعی

(۱۵) عبدالملک بن قطن الفہری

(۱۶) بلج بن بشر ابن عیاض القشیری

(۱۷) ثالبہ بن سلامہ العاملی

(۱۸) ابوالخطار بن ضرار الکلبی

(۱۹) ثوابہ بن سلامہ الجزامی

(۲۰) یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری۔

نفح الطیب میں یہ فہرست درج کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

"اندلس کے یہ والی غیر موروثی تھے، ان کی کل تعداد بیس ہے، انہیں لفظ "امیر" سے مخاطب کیا جاتا تھا"

ابن حیان کا قول ہے:۔

"ان امراء اندلس کی مدت تاریخ فتح سے جو اتوار کے دن ۵ ر شوال سنہ ۹۲ھ کو شروع ہوئی اور یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری کی شکست پر جب اس کو عبدالرحمٰن بن معاویہ مروانی نے مغلوب کر کے

قرطبہ کا تاج شاہی سر پر رکھا۔ ۱۰ ذوالحجہ ۱۳۸ھ تک چھیالیس سال اور پانچ دن تک پر حاوی ہے۔"

صاحب اختیار مجموعہ لے ۔ والیان اندلس کی فہرست درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

" عمر ابن عبدالعزیز کی ہلاکت کے بعد یزید بن عبدالملک نے بشر بن صفوان کو والی افریقہ بنا دیا، بشر نے سمح بن مالک کو معزول کیا اور عنبر کو اندلس کی ولایت سونپ دی، اس کے بعد وقتاً فوقتاً دوسرے والی مقرر ہوتے رہے، یہ ولاۃ دشمن سے مجاہدہ کرتے اور بلادِ اسلامیہ میں توسیع کرتے رہے یہاں تک کہ سرزمین فرنگ میں پہنچے اور اندلس پورے طور پر فتح ہو گیا۔"

پھر آگے چل کر لکھا ہے:۔

" ہشام بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے مصر کی حکومت عبیداللہ ابن صحاب بن حارث کو سونپ دی اور افریقہ اور اندلس کا انچارج بھی انہیں کو بنا دیا، انہوں نے بشر بن صفوان کو افریقہ کا اور عقبہ بن حجاج کو اندلس کا والی بنا دیا۔ عقبہ سنہ ۱۱۶ھ میں اندلس پہنچا چند سال قیام کرنے کے بعد اس نے اربونہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد جلیقیہ[۱۲۱ھ]، پھر البہ[۱۲۲ھ]، پھر بنلونہ[۱۲۳ھ]۔

جلیقیہ میں کوئی قریہ ایسا نہیں تھا جسے فتح نہ کر لیا گیا ہو، سوا صخرہ کے، یہاں بادشاہ بلائی نے اپنے تین سو سواروں کے ساتھ پناہ حاصل کر لی تھی، یہ لوگ برابر مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ بلائی کے ساتھی بھوکوں مرنے لگے اور اپنے آقا کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ تعداد بہن کم ہوتے ہوتے تیس آدمی رہ گئے۔ ان لوگوں کا آذوقہ صرف شہد

تھا صخرہ کے پیچھے یہ لوگ پناہ گزین رہتے اور شہد چاٹ چاٹ کر جس
کے وہاں بہت سے چھتے تھے زندگی کے دن گزارتے صخرہ کی درازوں
میں مکھیوں نے بہت سے چھتے بنا رکھے تھے، یہ لوگ یہیں پناہ گزیں
رہے مسلمانوں نے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا اور چلے آئے۔"

آگے چل کر صاحب اخبار مجموعہ نے لکھا ہے :۔

"عقبہ بن حجاج ۱۲۱ھ تک اندلس کا امیر رہا۔ اس اثنا میں بربر
افریقیہ میں بغاوت برپا کرتے ہیں کامیاب ہو گئے اور طنجہ پر قبضہ کر لیا۔
اور اس کے والی عمر بن عبداللہ المرادی کو قتل کر دیا۔ والی افریقیہ بشر
بن صفوان نے اس بغاوت کو دبانے کی کوشش کی، اسی اثنا میں عبدالملک
بن قطن المحاربی نے عقبہ بن حجاج پر حملہ کیا اور اس سے امارت چھین لی
یہ نہیں معلوم کہ بعد میں اسے قتل کر دیا یا نکال دیا ۱۲۱ھ سے ۱۲۳ھ
تک عبدالملک بن قطن منصب ولایت پر قائم رہا، یہاں تک کہ بلج
بن بشر القشیری سپاہ اہل شام کے ساتھ آموجود ہوا جس کی تفصیل
آگے آئے گی۔"

آگے چل کر صاحب اخبار مجموعہ نے لکھا ہے کہ :

"بلج القشیری کی وفات کے بعد اندلس کی ولایت ثعلبہ بن سلمی العاملی کے
ہاتھ میں آئی، یہ ظالم اور جابر شخص تھا، چنانچہ اندلس سے ایک وفد امیر
افریقیہ حنظلہ بن صفوان کی خدمت میں گیا اور اپنے شکایات پیش کیے
حنظلہ نے ابو الخطار حسام بن ضرار الکلبی کو نیا والی بنا کر بھیجا، اس شخص
نے پہنچتے ہی بڑی خوبی سے حالات پر قابو پا لیا، شامی بھی اس سے
خوش تھے اور اہل بلد بھی، یہ ساڑھے چار سال تک اپنے منصب پر

فائز رہا، یہاں تک کہ اندلس میں صمیل بن حاتم بن شمر بن ذوالجوشن داخل ہوا، یہ شمر وہی ہے جس نے امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اور بعد میں جسے مختار نے کوفہ میں قتل کر دیا تھا، چنانچہ شمر کے لڑکے کوفہ سے جزیرہ میں آگئے اور جزیرہ سے اندلس میں صمیل نے اندلس میں سرداری کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی اور قیس نے اس کا ساتھ دیا، چنانچہ یہ ابوالخطار سے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا اور شکست کھائی۔

۱۲۹ھ میں ثوابہ بن سلمہ کی وفات کے بعد یوسف بن عبدالرحمٰن بن عقبہ بن نافع الفہری والئ اندلس بنا، اس کے زمانہ میں بنو قیس اور اہل یمن کے مابین شدت کے ساتھ عداوت کی آگ بھڑک اٹھی قبیلہ مضر اور ربیعہ کے لوگوں نے یوسف کا ساتھ دیا، اندلس کے یمنیوں کے قبائل حمیر اور کندہ و مذحج و قضاعہ ابوالخطار کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے، فریقین میں بڑی شدید جنگ ہوئی۔ یہی وہ فتنہ عظمیٰ تھا جو اندلس میں اسلام کی کمزوری کا سبب بنا۔"

ان تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اندلس اسلام کی تباہی اور بربادی کا اندیشہ تھا وہ اس جہت سے نہیں تھا کہ مسلمانان اندلس اور دوسرے مسلمانوں کے مابین سمندر حائل تھا، بلکہ اس جہت سے تھا کہ مسلمان خود آپس میں خانہ جنگی کے لیے بار بار تیار رہو جایا کرتے تھے اور کوئی شبہ نہیں کہ جس بات کا اندیشہ تھا وہ ہو کر رہی۔ مسلمانانِ اندلس کے زوال کا سبب جنگ اسپانیول ہی نہیں تھی بلکہ اس کا سب سے قوی عامل مسلمانوں کی باہمی عداوت اور دشمنی تھی، یہ مرض کچھ اس طرح طاری ہوا کہ جب تک مسلمان بالکل ختم نہ ہو گئے آخر وقت تک یہ ان کے ساتھ رہا۔

۱؎ رینو نے اپنے حاشیہ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ایڈیڈ درباچی کے روایات اس نے مخطوطات متعددہ سے نقل کیے ہیں۔

۲؎ لذریق شمینس اس نے اپنی تاریخ تیرھویں صدی عیسوی میں لکھی ہے اور کتب عربیہ سے بھی استفادہ کیا ہے، رینو نے بتایا ہے کہ اس کی لکھی ہوئی تاریخ عربی اور لاطینی میں لیڈن سے شائع ہو چکی ہے۔

۳؎ (FAINEANTS) یہ وہ لقب ہے جو مورخین دولت میرو فنجیہ کے آخری ملوک کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

۴؎ (MARBANE) ۵؎ (NIME) ۶؎ (AGELE) ۷؎ (BEZIERS)
۸؎ (LADIUE) ۹؎ (CARCASSANNE)
۱۰؎ (MAGUELONE) ۱۱؎ (ACTURIES)

۱۲؎ GALICE غالیسیہ جسے اکثر عرب جلیقیہ بھی کہتے ہیں۔

۱۳؎ (NANARRE) جسے عرب نبرہ یا نابار کہتے ہیں۔

۱۴؎ انہوں نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ جو لوگ مسیح کی رائے کو غلطی پر مبنی قرار دیتے ہیں، ان میں ابن القوطیہ اور المقری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ابن قوطیہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "فتح المسلمین للاندلس" اسے ابن

قوطیہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اسپین کے گوتھ بادشاہوں کی نسل میں سے تھا،
اس کا پورا نام ابوبکر محمد بن عمر بن عبدالعزیز ابن ابراہیم بن عیسیٰ بن مزاحم ہے، یہ
اندلس کا رہنے والا تھا۔ دسویں صدی عیسوی کے آخری نصف میں یہ زندہ تھا۔

۵ا؎ (LES FRANCS) الفرانک، یہ ایک جرمن نسل تھی جو فرانس کے بعض
حصوں پر قابض ہوگئی تھی، عربوں نے اس کا تلفظ الفرنج یا الافرنج سے کیا،
بعد میں یہ لفظ یورپ کی ہر قوم پر بولا جانے لگا۔

۱۶؎ نہر رون (RRONE) آج کل بھی اس کا یہی نام ہے، یہ نہر سویزرلینڈ سے
نکلتی ہوئی بحیرہ یسمان میں جاتی ہے، پھر وہاں سے جینوا کے پاس سے ہوتی
ہوئی ارض فرانس سے گزرتی ہے اور بحر متوسط سے جا ملتی ہے۔ اس کے
منبع کا طول ۸۱۲ کیلومیٹر ہے۔

۱۷؎ BARCELONE ۱۸؎ NARBONNE ۱۹؎ (AVIGNIAN)

۲۰؎ (LYAN) فرانس کا بہت بڑا شہر جہاں سے نہر روم گزرتی ہے، یورپ
کے عظیم ترین مدن صناعیہ میں اس کا شمار ہوتا ہے اس کی بنا لیون نے سنہ ۴۱ھ
قبل مسیح میں ڈالی تھی۔ آگسٹس کے زمانہ میں یہ بلاد غال کا پایۂ تخت تھا۔

۲۱؎ جلیقیہ یا غالیسیہ، اس کے شمال اور مغرب میں بحر اوقیانوس، جنوب میں پرتگال
اور مشرق میں بلاد سیون اور جبال استوریہ ہیں، یہاں عربوں کو بہت سخت

جنگ لڑنا پڑی تھی، یہ بلادِ ۱۲۳۰ء میں کشتالہ سے ملحق ہو گئے، لیکن فرڈیننڈ اور ملکہ ازابلہ کے عہد تک داخلی آزادی قائم رہی۔ اس کے بعد یہ اسپین کا ایک جزء بن گئے۔ اسپانیول اس نام کو اس طرح لکھتے ہیں (GOLICIA)

---

۲۲ (ALAVA)

۲۳ عرب اسے کبھی نبرونہ کہتے ہیں، کبھی نبرہ، کبھی نابارہ، تلفظ اس کا یہ ہے۔
(PAMPELUNA)

---

(۴)

جنگ قیسانیہ ویمانیہ

عربوں کی خانہ جنگی اور اس کے ہولناک نتائج

صاحب اخبار مجموعہ کا بیان ہے :۔

"ابن حریث[1] اور ابو خطار یوسف اور صمیل[2] کے پاس قرطبہ ان سے لڑنے کے لیے تیار ہو کر گئے، نہر قرطبہ کے کنارے مقام شقندہ[3] میں وہ اپنے آدمیوں کو لے کر جمع ہوئے۔ یوسف اور صمیل نے نہر پار کی اور مقابلہ میں اپنے آدمیوں کو لے کر ڈٹ گئے۔ نماز فجر کے بعد ان دو عرب قبیلوں یعنی قیسیوں اور یمنیوں میں جنگ باہمی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے سواروں نے اپنے نیزے نکالے اور نیزہ بازی شروع ہو گئی، یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے اور دھوپ زیادہ تیز ہو گئی، پھر ان لوگوں نے شمشیر زنی شروع کی، یہاں تک کہ تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں۔ جب نیزے اور شمشیر سے کام نہ چلا تو دست بدست جنگ شروع ہوئی، یہ اتنے گھمسان کا رن تھا اور اتنی پامردی سے لڑا گیا کہ اسے دیکھ کر جنگ صفین[4] یاد آ گئی، دونوں فریقوں کے پاس بہت بڑا لشکر نہیں تھا لیکن جتنے بھی لڑنے والے تھے سب منجھے ہوئے، تجربہ کار اور سرد و گرم چشیدہ تھے۔ دونوں کی تعداد تقریباً مساوی تھی۔ اگر کسی فریق کی تعداد کم تھی تو اہل یمن کی جب یہ لوگ لڑتے لڑتے تھک گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کے منہ پر ترکش پھینک پھینک کر مارنا شروع کئے، پھر ایک

دوسرے پر دھول پھینکنے لگے، اتنے میں صمیل نے یوسف سے کہا کہ:

"اگر ہم نے اپنے پیچھے دشمن کے آدمیوں کو چھوڑ دیا تو یہ غفلت ہمیں گراں پڑے گی۔"

یوسف نے پوچھا:

"وہ لوگ کون ہیں؟"

صمیل نے کہا:

"قرطبہ کے اہل سوق!"

یوسف نے اپنے غلام خالد بن زید کو بازار قرطبہ کے لوگوں کے پاس پیامبر بنا کر بھیجا کہ وہ مدد کے لیے آئیں، ان لوگوں کی تحریک پر چار سو آدمی چھڑیاں اور ڈنڈے لیے ہوئے لڑنے کے لیے نکل آئے۔ چند لوگوں کے پاس تلواریں بھی تھیں، قصاب اپنی چھریاں لے کر میدان میں آگئے، جنگ اور زیادہ شدت سے شروع ہوگئی۔ ظہر اور عصر کا وقت گزر گیا، لیکن یہ لوگ نہ صلوٰۃ خوف پڑھ سکے نہ صلوٰۃ امن، ان لوگوں نے اپنے ہم قوم دشمنوں کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا اور گرفتار کر لیا، گرفتار شدگان میں ابن حریث اور ابوالخطار بھی تھے۔

ابن حریث نے جب دیکھا کہ بازار قرطبہ کے لوگ اس کے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں تو وہ چھپ گیا اور ایک چکی کے تختے کے نیچے پناہ گزیں ہو گیا، لوگوں نے جب ابوالخطار کو بھی گرفتار کر لیا اور اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا:

"مجھے کیوں مارتے ہو، جب کہ وہ ابن سوداء یعنی ابن حریث موجود ہے۔"

ابوالخطار کی نشان دہی پر ابن حریث بھی پکڑ لیا گیا، پھر ایک ساتھ دونوں قتل کر دیے گئے۔

یہ ابن حریث کہا کرتا تھا کہ اگر اہل شام کا خون ایک پیالے میں میرے لیے جمع کر دیا جائے تو ایک ہی گھونٹ میں اسے پی لوں گا۔

پھر جب یہ اپنی کمین گاہ سے نکالا گیا تو ابو الخطار نے اس سے کہا۔

"کیا تیرے پیالہ میں خون کے ابھی کچھ ایسے قطرے ہیں جنہیں تو نے نہ پیا ہو؟"۔

ان دونوں کے قتل کے بعد اور کافی لوگوں کو گرفتار کرنے کے بعد قیدیوں کو لے کر صمیل ایک کلیسا میں آیا جو اندرون قرطبہ میں تھا اور جسے اب مسجد جامع کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا تھا صمیل نے ان گرفتار شدگان میں سے ستر آدمیوں کی گردن فوراً مار دی۔

یہ منظر دیکھ کر ابو عطا ابن عبد الرحمٰن کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

"ابو جوش! اپنی تلوار میان میں کر لو"

صمیل نے جواب دیا۔

"ابو عطا بیٹھ جاؤ، یہ تمہاری اور تمہاری قوم کی عزت کا معاملہ ہے"۔

وہ بیٹھ گیا۔

پھر صمیل بھی بیٹھ گیا لیکن کھلی ہوئی تلوار اب تک اس کے ہاتھ میں تھی،

پھر ابو عطا اس کے پاس گیا اور اس نے کہا:

"اے اعرابی! خدا کی قسم یہ تو صفین کی عداوت کا بدلہ لے رہا ہے!"

صمیل نے تلوار میان میں کر لی اور اس طرح ابو عطا کے باعث لوگوں نے ایک بلائے عظیم سے نجات پائی۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ جنگ بہت زیادہ قاطعۂ ارحام[ف] ثابت ہوئی۔ یہ واقعہ ۱۳۱ھ کا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی سال تک اندلس قحط اور بھوک

کی مصیبت میں مبتلا رہا۔

عربوں کی اس خانہ جنگی سے دشمنوں نے پورا فائدہ اٹھایا، چنانچہ اہل جلیقیہ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور بادشاہ بلائی کو اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کا موقع مل گیا، وہ صخرہ سے نکلا اور مقام استورش پر قابض ہو گیا، پھر مسلمانوں نے جو جلیقیہ میں رہتے تھے اس سے جنگ کی، اہل استورقہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک عرصۂ دراز تک یہ جنگ جاری رہی، یہاں تک کہ آخر اس جنگی فتنہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۳۳ھ میں بلائی نے مسلمانوں کو شکست دی اور سب کو جلیقیہ سے نکال دیا، جن لوگوں میں مقابلہ کی سکت نہ تھی یا جو اپنے نئے مذہب اسلام پر ابھی پورے طور پر استوار نہیں ہوئے تھے وہ عیسائی ہو گئے۔ بلائی نے اس جنگ میں بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کو استورقہ سے بھی نکال دیا۔ نیز قوریہ اور ماندہ میں بھی ان کی تربت اکھڑ گئی۔ یہ واقعہ ۱۳۶ھ کا ہے۔

قحط اور جنگ نے حالات اتنے ابتر کر دیے کہ اہل اندلس کی ایک بہت بڑی تعداد طنجہ اور اصیل اور ریف کی طرف منتقل ہو گئی، یہ لوگ مقام شذوفہ کی وادی سے بے سروسامانی کی حالت میں نکلے تھے، جسے وادی برباط بھی کہتے ہیں۔

یہ حالت تھی ان مسلمان دلاوران اندلس کی جن کی شوکت و حشمت کا یہ عالم تھا کہ سرزمین فرنگ و فرانس تک لڑتے ہوئے پہنچ گئے تھے۔ ہم اس جگہ کتاب "بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اہل الاندلس" کے مصنف ابن عمیرہ کا بیان درج کرتے ہیں، موصوف کا کہنا ہے کہ حر عبدالرحمن الثقفی نے عنبسہ بن سحیم الکلبی کو معزول کر دیا تھا جو اندلس کا ۱۰۶ھ میں والی تھا۔ یہ زمانہ ہشام بن عبدالملک کی خلافت کا تھا۔

عنبسہ ابن خلدون کے بیان کے مطابق ۱۰۷ھ میں سرزمین فرنگ پر دشمن سے لڑتا ہوا مارا گیا، ابن فداری کی تحریر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، لیکن مستشرق رینو کے خیال میں یہ واقعہ ۷۲۵ء کا ہے اور مورخ کانڈی کے نزدیک یہ واقعہ سنہ ۱۰۶ھ مطابق ۷۲۴ء میں پیش آیا۔

اب فرانس پر رینو کی تاریخ سے غارات عرب کے واقعات بیان کرتے ہیں، رینو کہتا ہے:۔

"سمح بن مالک الخولانی عہد خلافت عمر ابن عبدالعزیز میں اندلس کا والی ہوا، سرزمین اندلس پر قدم رکھتے ہی اس نے تمام بدعنوانیوں اور بدامنیوں پر قابو پالیا اور اصلاح امور میں پورے طور پر کامیاب ہو گیا، اس نے مسلمانوں میں جہاد کی روح پھر سے پیدا کر دی، ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ان کے سینوں میں پھر وہی آگ بھڑک اٹھی ہے جو سرزمین اندلس پر قدم رکھتے وقت بھڑک رہی تھی۔ وہ سمح تھا جس نے تجدید عزائم کا کارنامہ انجام دیا، خانہ جنگیوں اور باہمی فساد و عناد کا سلسلہ بند کر دیا، اس نے سرزمین فرانس کی طرف رخ کیا۔ اس کا لشکر گراں دور دور تک پھیل گیا، مورخین فرنگ کا بیان ہے جنہوں نے ان واقعات و حوادث کی تاریخ چشم دید حالات کی بنا پر لکھی ہے کہ اس مرتبہ عرب تنہا نہیں آئے تھے، بلکہ اپنے ساتھ اپنی بیویوں اور بچوں کو بھی لائے تھے، کیونکہ ان کا ارادہ واپس جانے کا نہیں تھا۔ مستقل قیام کا فیصلہ کر کے وہ آئے تھے۔ انہیں مورخین کا یہ بیان بھی ہے کہ جزیرۂ عرب، شام، مصر اور افریقہ

سے محتاج اور ضرورت مند لوگوں کے قافلے بھی اپنے کنبوں سمیت آگئے تھے، تاکہ فتوحات اسلامیہ سے وہ بھی بہرہ ور ہوں، ان کے فقر و فاقہ کا دور ختم ہو، خوش حالی اور فراخ دستی کی زندگی وہ پھر بسر کرنے لگیں "

رینو کہتا ہے :-

" سمح کا لشکر گراں برابر پیش قدمی کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ اربونہ کے سامنے پہنچ گیا اور اس کا محاصرہ کر لیا اور کچھ عرصہ کے بعد اسے فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا، لڑنے والوں کو قتل کیا، عورتوں کو باندی اور مردوں کو غلام بنا لیا "

اربونہ سمندر سے قریب تھا اور جہازوں کے ذریعہ اسپین سے وہاں تک آمدورفت بہت آسان تھی، خشکی کی طرف سے بھی سے وہ ہر طرح محفوظ تھا۔ اس میں اس امر کی پوری صلاحیت تھی کہ ارض فرنگ میں وہ مسلمانوں کا اسلحہ خانہ بن جائے، سمح نے اسے اور زیادہ مضبوط و مستحکم بنا دیا۔
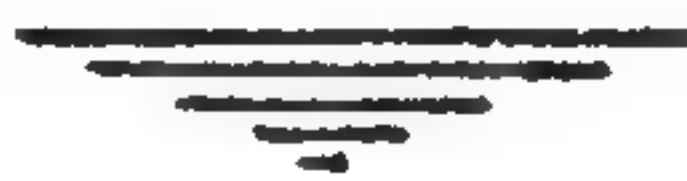
لہ یحییٰ بن حریث، یہ مقام ریہ کا امیر تھا۔

ٹہ سمیل بروزن امیر۔

تہ اسپانیوال اسے اس طرح لکھتے ہیں: (XECUNDE)

ٹہ جنگ صفین، جو حضرت علی اور امیر معاویہ کے مابین واقع ہوئی، یہ جنگ اگر نہ ہوتی تو کوئی شبہ نہیں ساری دنیا پر اسلام چھا جاتا۔ اس جنگ کے

باعث معاویہ کو رومیوں کے ساتھ دب کر صلح کرنی پڑی، بلاذری کا بیان ہے:

"معاویہ نے روم سے اس بنیاد پر مصالحت کر لی کہ وہ اسے مال دیا کریں گے۔"

(فتوح البلدان)

جنگ قیسیہ و یمانیہ جو اندلس میں برپا ہوئی اس نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا اور فرنگی عربوں پر غالب آ گئے یہاں تک کہ کئی مقامات سے انہیں خارج کر دیا۔

---

۵ مشہور ولندیزی مستشرق جو اسپین کی تاریخ عرب پر اتھارٹی مانا جاتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "تاریخ مسلمانانِ اسپین" میں لکھا ہے کہ قبیلۂ قیس کا اہلِ یمن سے بغض اور اہلِ یمن کا قبیلہ قیس سے بغض اس درجہ شدید تھا کہ اس کے سامنے وہ بغض کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا جو عرب کو عجم سے تھا۔

---

۶ اسے صخرۂ اغیلار (AGUILAR) کہتے ہیں۔

---

۷ (ARTURIAS)

---

۸ شمالی اسپین کے علاقہ لیون کا ایک شہر جسے اسپانوی (ASTORGA) کہتے ہیں۔

۹ عربوں کی پیکار باہمی کا یہی وہ فتنہ تھا جس سے فائدہ اٹھا کر دشمن نے جلیقیہ سے مسلمانوں کو نکال دیا، اسی واقعہ کے بعد عربوں کی موجودگی میں ایک چھوٹی سی اسپینی حکومت قائم ہوگئی جو برابر بڑھتی اور قوت حاصل کرتی رہی، یہاں تک کہ اس نے سارے اسپین سے تمام مسلمانوں کو نکال دیا۔

---

۱۰ CORIA

---

۱۱ (MERIDA) غربی اندلس کا ایک شہر

---

۱۲ (SIDONIA)

---

۱۳ یہ مقام طرف الاغر (TRAFALGAR) کے قریب ہے اور جسے اسپانوی میں (BRBATE) کہتے ہیں۔

---

۱۴ احمد بن یحییٰ بن احمد بن عمیرہ الضبی۔ انہوں نے جو کتاب "بغیۃ الملتمس" کے نام سے لکھی ہے وہ کتب حوالہ میں شمار ہوتی ہے۔

اربونہ

شاندار فتح، عبرت انگیز شکست، ہلاکت خیز خانہ جنگی

اندلس سے واپسی پر اربونہ کی زیارت سے میری آنکھیں شاد کام ہو چکی ہیں۔ سرزمین فرانس میں یہی وہ شہر ہے جس پر قبضہ کرنے کے لیے عربوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی، اس لیے کہ یہ سمندر سے قریب ہے اور اندلس سے آبی راستہ کے ذریعہ وہاں پہنچنا بہت آسان ہے اور اس لیے بھی کہ فرانسیسی شہروں میں اپنے وقت کا یہ سب سے متمدن شہر تھا جو جبار اندلس میں واقع تھا، عرب جبال بیرنہ سے شمال کا رخ کرتے ہوئے جب نکلے تو اربونہ پہلا شہر تھا جو ان کے استقبال پر آمادہ نظر آیا۔

یہ شہر موجودہ زمانہ میں تیس ہزار نفوس کی آبادی رکھتا ہے، یہاں کی آب و ہوا اندلس عربیہ کی آب و ہوا سے بہت مشابہ ہے، جاڑا اچھا خاصا پڑتا ہے، برف کبھی کبھی گرتی ہے، گرمی کا موسم بہت شدید ہوتا ہے، لیکن سمندر کے راستہ سے ٹھنڈی ہو کر جو ہوائیں آتی ہیں وہ موسم کی حرارت کو کم کر دیتی ہیں۔

تقریباً چھ مہینے تک شمال مغربی ہوائیں چلتی ہیں جن سے خوب خاک دھول اڑتی ہے، نازک مزاج یہ زمانہ بڑی کلفت سے بسر کرتے ہیں، لیکن آب و ہوا کے

جسے اب (NARBONNE) کہتے ہیں۔

درست کرنے میں اس سے مدد بھی کافی ملتی ہے، یہاں وہ تمام درخت پلئے جاتے ہیں جو گرم ممالک میں ہوتے ہیں۔ انجیر اور زیتون کے درخت بکثرت میں نے یہاں دیکھے۔

اریونہ سے ایک بڑا نالہ روبین نامی گزرتا ہے، جو نہر اود سے نکلتا ہے۔

دنیا کے قدیم ترین شہروں میں اریونہ کا شمار ہوتا ہے، یہاں پتھر کے زمانہ کے آدمیوں کے آثار ملے ہیں اور زمانہ قبل از تاریخ کی خبریں دریافت ہوئی ہیں۔ ولادت مسیح سے بارہ سو برس پہلے سلیون قوم نے اریونہ پر غارت گری کی اور اس پر قبضہ کرلیا، ان لوگوں کے تجارتی اور کاروباری تعلقات یونانیوں سے قائم تھے جو سواحل بروفانس اور کاتالان کی طرف برابر آمدورفت رکھتے تھے۔

بالغولسک قوم نے بعد میں مدینۂ اریونہ کو اپنا مرکز بنالیا،

سنہ ۱۲۱ قبل مسیح میں رومیوں نے اس شہر کو فتح کرلیا، ان کے زمانہ میں یہ بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا جس کے سامنے مرسیلیہ بھی ہیچ تھا، رومی گورنر یہیں رہتا تھا اور دربار کے ساتھ یہاں رہتے تھے۔ یہ شہر اتنی تیزی سے ترقی کر رہا تھا کہ بہت جلد اس کی آبادی اس زمانہ میں ایک لاکھ سے تجاوز کرگئی۔

سنہ ۴۱۳ میں قوم گوتھ نے اس شہر پر قبضہ کرلیا اور ان کے بادشاہ اوطلف نے رومی شہنشاہ کی بہن بلاسیدہ غالہ سے شادی کرلی، شادی کے موقع پر بڑی خوشیاں منائی گئیں اور سارے شہر میں جشن کی دھوم دھام جاری رہی

کچھ عرصہ بعد اریونہ پر عوندباد، جو برغندیین کا بادشاہ تھا ——— قابض ہو گیا لیکن زیادہ عرصہ ٹک نہ سکا، گوتھ قوم پھر واپس آئی اور استقامت کے ساتھ فرمانروائی کرنے لگی۔ بعد میں فرنگیوں کی غارت گری کا بھی اس نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔"

اربونہ کی تاریخ جو سطور بالا میں ہم نے پیش کی ہے مشہور تاریخی کتاب "ڈیلی اربونہ" سے ماخوذ ہے، اس کتاب میں عربوں کے بارے میں یہ لکھا ہے:-

"آٹھویں صدی مسیحی کے اوائل میں عرب سپٹیمانیہ میں داخل ہوئے اور ذاماتے نے ۷۱۹ء میں اٹھائیس دن کے محاصرہ کے بعد شہر اربونہ فتح کر لیا۔ اس جنگ میں بہت سے آدمی قتل ہوئے اور بہت سی عورتیں اور بچے گرفتار ہو گئے۔

ذاماتے نے بہت جلد اربونہ کی جغرافی حیثیت محسوس کر لی اور اسے ایک مختصر سی مدت میں مستحکم اور مضبوط مقام بنا دیا، ۷۳۲ء میں شارل مارٹل نے جب اربونہ پر غارت گری کی تو عربوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، حالانکہ معرکہ لوائیر میں عرب شکست کھا چکے تھے۔

۷۵۲ء میں پیپن نے اربونہ کا محاصرہ کیا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ ۷۵۹ء میں شارلیمان نے ایک عرصۂ دراز کے محاصرہ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا، یہاں کے باشندے اس طویل محاصرہ سے اکتا گئے تھے، انہوں نے عرب افسروں کو قتل کر دیا اور شہر کے دروازے کھول دیے۔

۷۹۳ء میں عرب پھر واپس آئے، انھوں نے دوبارہ اربونہ کا محاصرہ کر لیا، شارلیمان نے بیس ہزار چنے ہوئے جنگجو مقابلہ کے لیے بھیجے، جن کا پرچم مشہور سورما غلیوش کے ہاتھ میں تھا، دونوں لشکر اربونہ کے قریب آمنے سامنے کھڑے تھے۔ جنگ شروع ہوئی، عربوں نے فرنگی لشکر کا خاتمہ کر دیا، صرف غلیوم اور اس کے تیرہ ساتھی زندہ بچے، اس جنگ میں غلیوم کی ناک بھی کام آئی اور اس دن سے وہ نکٹا مشہور ہو گیا، کوئی شبہ نہیں کہ اس جنگ میں فرنگیوں کی قوت پارہ پارہ ہو

گئی، لیکن اربونہ عربوں کے قبضہ میں نہ آسکا۔"

سطور بالا میں "دلیل اربونہ" کتاب کی عبارت ہم نے پیش کی تھی، لیکن مصنف نے اربونہ کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے کہ وہ عربوں کے ہاتھ میں نہیں آیا، تاریخ عرب کا مطالعہ اسے غلط قرار دیتا ہے۔

نفح الطیب نے اربونہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ہشام ابن عبدالرحمٰن الداخل جو اپنی گفتار اور رفتار میں بالکل عمر ابن عبدالعزیز کا نمونہ تھا، اس کا یہ معمول تھا کہ اپنے معتمد لوگوں کو مختلف مقامات پر بھیجا کرتا تھا، یہ لوگ سرکاری حکام و عمال کے بارے میں عوام کی رائے معلوم کرتے تھے اور اسے خلیفہ کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ اپنے حکام و عمال میں سے کسی کے بارے میں بھی جب اسے پتہ چلتا کہ یہ اپنے فرائض درست طور پر انجام نہیں دیتا ہے، یا لوگوں کو ستاتا اور پریشان کرتا ہے: یا نظم و ضبط قائم رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو یا اسے برخواست کر دیتا یا اس کا درجہ گھٹا دیتا، یا اسے سزا دیتا۔ زیاد بن عبدالرحمٰن نے جب ہشام کے اس کردار و سیرت کا ذکر مالک بن انس سے کیا تو بے ساختہ وہ کہہ اُٹھے:۔

"اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حجاز میں بھی کوئی ایسا ہی فرمانروا مرحمت کرے۔"

اسی ہشام کے زمانہ میں مشہور شہر اربونہ فتح ہوا۔

ہشام نے مفتوحین اربونہ سے جو شرائط صلح طے کیے وہ ان شرائط سے زیادہ سخت تھے جو اہل جلیقیہ سے طے ہوئے تھے، ان

سخت شرطوں میں ایک کٹھن شرط یہ بھی تھی کہ یہ لوگ اربونہ کی مٹی ڈھو ڈھو کر قرطبہ میں اس کے قصر کے سامنے جمع کریں، پھر اس مٹی سے باب جنان کے سامنے اس نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی۔

یہ ہشام مخالفین سے سخت برتاؤ کرنے کا عادی تھا، خواہ وہ کوئی بھی ہوں، اس لیے جہاں کہیں بھی جنگ چھیڑی، کامیاب ہوا۔ غازی اور منصور بن کر واپس آیا۔ اس نے الیہ اور دوسرے مستحکم قلعوں اور شہروں پر حملے کیے۔ جہاں کہیں بھی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی، اسے شکست دی اور کامیاب و کامران رہا، الیہ اور دوسرے مقامات کو اس نے ۱۷۵ھ میں فتح کیا۔ پھر اس نے اپنا ایک لشکر یوسف بن بخت کی سرکردگی میں جلیقیہ بھیجا، یہاں ابن بندہ سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی، یوسف نے اسے شکست دی اور دشمن کی قوت پارہ پارہ کر دی، ۱۷۶ھ میں ہشام نے اپنے وزیر عبدالملک بن الوحید ابن منیث کو دشمن کے مقابلہ کے لیے بھیجا، اس نے الیہ کو صدر مقام بنا کر نواحی علاقوں اور مضافات میں دشمن کو مسلسل شکستیں دیں۔ ۱۷۷ھ میں ہشام نے اپنا ایک لشکر اربونہ اور جرندہ کی طرف بھیجا۔ اس لشکر نے دشمن کو پے در پے شکستیں دیں۔ اور ارض برطانیہ کو پامال کرتا ہوا آگے بڑھا۔ عبدالملک بلاد کفار میں بہت دور تک بڑھتا چلا گیا اور پے در پے انہیں شکستیں دیں۔

پھر ہشام نے عبدالکریم بن عبدالواحد کو بلاد جلیقیہ کی طرف بھیجا، جہاں سے وہ استرقہ تک بڑھتا چلا گیا اور اس طرح بہت بڑا رقبہ مملکت اسلامیہ میں اس نے شامل کر دیا۔

ہشام نے ایک اور لشکر بعض دوسرے مقامات کی طرف بھیجا، اس

لشکر سے جہاں کہیں بھی عساکر فرنگ کی مڈبھیڑ ہوئی، انہیں بری طرح
شکست کھانا پڑی اور مسلمان کامیاب و کامران رہے۔"

نفح الطیب کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبدالرحمٰن
الداخل کے بیٹے امیر ہشام کے زمانہ میں عربوں نے دوبارہ اربونہ فتح کر لیا تھا۔
لیکن المقری کے بیان ہی سے جو نفح الطیب میں ہے واضح ہوتا ہے کہ اربونہ
اور جرندہ میں ہشام نے لشکر بھیجا جس نے دشمن کی کمر توڑ دی۔ ظاہر ہے، اگر فتح مکمل
ہو گئی ہوتی تو دوسری مرتبہ نہ لشکر بھیجنے کی ضرورت تھی، نہ دشمن کی کمر توڑنے کی۔
بعض دوسری کتابوں میں امیر ہشام کے جیوش اسلامیہ کی مہم اور مسلسل جنگوں
کا جو بلاد نصاریٰ اور جنوبی فرانس میں ہوئی کہیں ذکر ملتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔
کہ ہشام کا لشکر فتح کرتا ہوا استرقہ اور اوبیادہ تک پہنچ گیا، یہ وہ مملکت تھی جسے
اسپین کے ملوک نصاریٰ کے اخلاف نے قائم کیا تھا اور جو عربوں کے زیر نگیں نہیں
آئی تھی، ان تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بلائی کے اخلاف اپنی آزادی
کی مزاحمت کرتے رہے اور جیرونہ و اربونہ میں برابر لڑتے رہے۔ انسائیکلوپیڈیا
آف اسلام میں فتح اربونہ کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی۔

لیکن اسپانوی مورخ کانڈی فتح اربونہ کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نے امیر ہشام
کے غزوات کا ذکر کرتے ہوئے اس لشکر کا بھی ذکر کیا ہے جو ہشام کے حکم سے عبدالواحد
بن مغیث کی قیادت میں گیا تھا اور اس لشکر کا بھی جو عبداللہ بن عبدالملک کی قیادت
میں روانہ ہوا تھا، کانڈی کہتا ہے:۔

"عبداللہ نے سنہ ۷۹۲ء مطابق ۱۷۶ھ میں جیرونہ فتح کیا۔ جیرونہ فتح کرنے

کے بعد وہ شمال کی طرف بڑھا، جبال بیرانہ کو عبور کیا، پھر اُس نے اربونہ کو فتح کیا، یہاں کے کافی لوگ اس کے ہاتھ سے مقتول ہوئے پھر وہ قرقشونہ گیا، کیونکہ یہاں بلادِ محکوم کے امراء نے مقابلہ کے لیے ایک لشکر جمع کر رکھا تھا، اس طرح اربونہ کے اسلامی اور قرقشونہ کے مسیحی لشکر کے مابین نہایت زبردست جنگ ہوئی اس جنگ میں مسلمان کامیاب رہے اور مسیحی شکست یاب۔ لیکن ان کی یہ شکست مکمل نہیں تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اندلس واپس جاتے وقت عبداللہ کو ایک مرتبہ پھر میدانِ جنگ میں اترنا پڑا۔ عبداللہ کی واپسی کے متعدد وجوہ بیان کیے جاتے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ چونکہ اس جنگ میں بے انتہا مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا لہٰذا عبداللہ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں سردارانِ لشکر اس کو ادھر اُدھر نہ کر دیں، یہی وہ اموال وافرہ تھے جن سے ہشام نے قرطبہ کی جامع مسجد بنائی۔ بعد میں ہشام نے عبداللہ بن عبدالملک کو سرقسطہ کا گورنر بنا دیا اور عبدالکریم ابن عبدالواحد کو جلیقیہ کی امارت سپرد کی۔ لیکن وہ دشمن کے جال میں پھنس گیا۔ جسے اذفنش نے تیار کیا تھا جس میں لشکر کا بڑا حصہ اور سردارانِ فوج کا بڑا گروہ کام آ گیا۔ انہیں ہلاک شدگان میں یوسف بھی تھا۔"

مستشرق ریونے مورخین عرب کے روایات غزوۂ اربونہ کے سلسلہ میں بیان کرنے کے بعد اور مسیحی اسیرانِ جنگ کی پیٹھ پر مٹی ڈھلوانے کا قصہ بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ مورخین عرب کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ اس موقع پر اربونہ عربوں کے قبضہ میں آ گیا

تھا، لیکن یہ بات اس لیے قابلِ یقین نہیں ہے کہ مسیحی مورخین نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ آگے چل کر رینو کہتا ہے کہ فوریل جس نے ان لڑائیوں کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اس کی تصریح نہیں کرتا کہ اس جنگ میں عربوں نے مسیحیوں کو شکست دینے کے بعد اربونہ پر قبضہ کر لیا تھا اور استقرار حاصل کر لیا تھا۔

رینو نے جو کچھ لکھا ہے اس کے بعض پہلوؤں پر آگے چل کر ہم گفتگو کریں گے۔

۱؎ (LAROBINE) ۲؎ VOLSQUES

۳؎ PLACIDA ______ ۴؎ GALLA (GCUDEBAUD)

۵؎ (BURGUNDES) ایک جرمن قبیلہ جس نے ۴۰۶ء میں بلادِ شمال پر غارت گری کی اور وادئ رون یا ردونہ میں توطن اختیار کر لیا اور ثقافت لاطینی کو اختیار کر کے ساتھ ممزوج ہو گیا، عرب ان لوگوں کو برجان کہتے ہیں۔

۶؎ NARBONNE HISTORIQUE AT ARCHEALOGIQUE

۷؎ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے سمح بن مالک الخولانی اندلس کے امیر ہو کر آئے تھے، یہی نام مستشرقین نے زاما کر لیا۔ اربونہ میں آج بھی سمح کے نام پر ایک شارع موسوم ہے جس کا نام ہے (RUE DEZAMA)

---

۸ GUILLAUME AU COURT NEZ

---

۹ امام مالک نے یہ الفاظ امیر ہشام اموی صاحب اندلس کے لیے کہے تھے۔

ہشام فقہ میں مالکی فقہ کو بہت زیادہ پسند کرتا تھا، اندلس میں اس نے فقہ مالکی رائج کر دی تھی، اس کے قبل وہاں امام اوزاعی کی فقہ پر عمل درآمد ہوتا تھا۔

---

۱۰ عرب اہالی غالیسیہ کو اور اہالی جنوبی فرانس کو جلالقہ کہتے ہیں۔

---

۱۱ (ALAVA)

---

۱۲ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ نام حقیقی ہے یا برمودہ (BERMUDE) کا محرف ہے، جو جلیقیہ کا بادشاہ تھا۔

ہم نے کسی اسپینی بادشاہ یا امیر کا نام ابن منذہ کہیں نہیں پڑھا ہے، اصل یہ ہے کہ فرنگی اسماء کی عربوں نے جو تحریف کی ہے اور وہ ایسا بحر ذخار ہے جس میں شناوری نہیں کی جا سکتی۔

---

۱۳ اسپانیولی مورخ کانڈی نے ذکر کیا ہے کہ امیر ہشام نے جبال اشتوریس (ASTURIES) کی طرف ایک عظیم لشکر بھیجا تھا جو ۳۹ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، اس کی قیادت عبدالواحد بن مغیث نے نہ کہ عبدالواحد نے کی تھی اور اس سے قبل ہم کہیں کہہ چکے ہیں کہ کانڈی کی تاریخ مستند نہیں ہے۔

---

۱۴ (GIRONDE) یہ فرانس کے جنوب مغرب کا ایک علاقہ ہے۔

---

۱۵ مغربی فرانس (BRETAGNE) کا یہ ایک بہت بڑا علاقہ تھا جس کے رہنے والے سلتی قوم سے تھے، ان کی زبان فرانسیسی نہیں تھی۔
پہلے زمانہ میں جنوبی فرانس کا یہ علاقہ یعنی برطانیہ ایک مستقل مملکت کی حیثیت رکھتا تھا۔ ۱۵۳۲ء میں بڑی مشکل کے بعد فرنسوا اول نے فرانس سے اس کا الحاق کرنے میں کامیابی حاصل کی، لیکن فرانس سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد ہمیشہ جاری رہی۔

---

۱۶ (ASTORGA) شمالی اسپین کے بلاد لیون کا ایک شہر۔

---

۱۷ (OVIEDO) — ابن حوقل نے اس کا نام اوبیدا لکھا ہے۔

---

۱۸ (PELAGE) ۱۹ (GIRONNA)

---

۲۰ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ شہر اربونہ ۳۳۰ھ میں مع بعض دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔
دوزی نے جو اندلس کی تاریخ عرب کے یورپین مورخین میں سب سے زیادہ ماہر ہے اپنی کتاب "تاریخ الاسلام فی اسبانیہ" کے تیسرے حصہ میں لکھا ہے۔
"بیلائی کی بغاوت کے بعد اشوریہ کے رہنے والوں نے مسلسل جنگ جاری رکھی، شمالی ہسپانیہ کے مسلمان زیادہ تر بربر تھے، ان سے اور عربوں سے نہیں

بنتی تھی، فریقین میں اکثر جنگ ہوتی رہتی تھی۔ عربوں سے لڑائی چھیڑ لے کی ابتدا بربر نے کی تھی، پھر عرب بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور جوش انتقام سے سرشار ہوکر بربر پر ٹوٹ پڑے اور انہیں پھر افریقہ میں دھکیل دیا۔ تقریباً پانچ سال تک مسلسل اور متواتر عرب اور بربر خونریز لڑائیاں لڑتے رہے تذر کے علاوہ بربر کے تمام قبائل وہاں سے یا تو نقل مکانی کر گئے یا قتل ہوئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر کے شہر مسلمانوں سے خالی ہو گئے اس صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر استوریوں نے اذفنش کی زیر قیادت جو بیلائی کا داماد تھا سنہ ۱۵۱ھ میں بغاوت کردی اور جو مسلمان ان علاقوں میں باقی رہ گئے تھے ان سب کو ذبح کر دیا، یہاں تک کہ براغہ BRAGA میں اور بورتو BORTO میں اور فیزو VISEU میں ایک مسلمان بھی باقی نہیں رہ گیا اور نہر دورو DUERO کا سارا علاقہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا، اس کے بعد مسلمانوں کو استرقہ (ASTORGA) اور لیون (LEON) اور سمورہ (ZAMOURA) اور دیمہ (DIESMA) اور طلمنکہ (TALMANQUA) سے بھی نکلنا پڑا اور وہ صرف قوریہ اور مارده میں باقی رہے۔

مشرق کی طرف مسلمانوں کو سردانہ SERDANA اور سمنکہ SIMANKAR اور سیکوبیہ SEGOVIA اور ابیلہ AVILA اور اوقہ OQA اور میراندہ MIRANDA اور ابرہ EBRA کے علاقوں سے بھی جلاوطن ہونا پڑا اور مسلمانوں کے قبضہ میں جو شہر رہ گئے وہ یہ تھے۔

[1] قوریہ COIMBRA [2] طلبیرہ (TALAMERA) [3] تطیلہ TADELA [4] بنبلونہ (PAMPELANA) [5] طلیطلہ اور قوریہ

سمح بن مالک الخولانی

سرزمین فرانس پر یلغار کرنے والا عرب کشورکشا

رینو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے :۔

" اربونہ کے معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد اور آس پاس کے علاقے میں دشمن کی قوت شکست کرنے کے بعد وہ طلوزہ کی طرف بڑھا جو اس زمانہ میں اکتیانیہ کا پایہ تخت تھا۔ اکتیانیہ کے لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں مقابلہ کے لیے لشکر جمع کر لیا تھا۔ انھوں نے عربوں کو شکست دینے کے لیے منجیقات اور دوسرے آلاتِ جنگ بے دھڑک استعمال کئے تھے۔ مورخین عرب کا بیان ہے کہ اس لشکر کی گرد پانے سورج کو ڈھک لیا تھا اور بنا بریں یہ بات یقینی نظر آ رہی تھی کہ مسلمان شکست کھائیں گے اور اکتیانیہ کے لوگ غالب آجائیں گے، اس موقع پر سمح آگے بڑھا اور اس نے اہلِ لشکر کو مخاطب کر کے قرآن کی یہ آیت پڑھی :

" ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم "

جب دونوں لشکر سامنے ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا دو پہاڑ ہیں جو آپس میں ٹکرا رہے ہیں، یہ معرکہ اتنا لرزہ خیز تھا کہ عقل انسانی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی، سمح کا یہ عالم تھا کہ اس کی تلوار خون سے رنگین ہو

رہی تھی اور برقِ جہندہ کی طرح وہ ہر جگہ پہنچ جاتا تھا، اپنی گفتار و کردار سے اسلامی لشکر کا وہ حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ وہ ایسے شیر کی طرح تھا جو گرجتا ہوا دشمن پر حملہ آور ہو، اور کوئی شخص اس کے سامنے ٹھہرنے کی جرأت نہ کر سکے، اسی اثنا میں اسے تیر کا گھاؤ لگا اور وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا، مسلمان لشکر نے اپنے سالار کا یہ حال دیکھا[۳۳] تو اس کا حوصلہ پست ہو گیا وہ پچھلے پاؤں لوٹا۔ اپنے مقتولین کو میدان میں چھوڑ کر مسلمان بری طرح پسپا ہونے لگے۔ یہ واقعہ ۷۲۱ء کے ماہ مئی کا ہے، اس معرکہ میں کئی مسلمان جن کی بہادری اور شہامت کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے اور فتوحاتِ سابقہ میں جو نامودی حاصل کر چکے تھے کام آئے۔ سمح کے قتل اور عربوں کی پسپائی کے بعد قیادت کا پرچم عبدالرحمٰن الغافقی کے ہاتھ میں آیا اور وہ اپنے لشکر لے کر اندلس چلا گیا۔[۳۴]

عربوں کی یہ شکست دور رس نتائج کا سبب بنی، یہ خبر جب پھیلی تو لانغدوق اور بیرانہ کے عیسائیوں میں ایک بڑا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا، انہوں نے اطاعتِ عرب کا حلقہ گلے سے نکال پھینکا اور تلوار سونت کر حریت و استقلال کے لیے میدان میں کود پڑے، جو لوگ اربونہ میں مقیم تھے ان کے پاس سے بھاگے آئے اور یہ بھی غارتگری میں شریک ہو گئے اور آس پاس کے شہروں پر انہوں نے حملے شروع کر دیے، صورتِ حال یہ تھی کہ عیسائیوں کے جتھے اور فتنہ بغاوت و سرکشی اختیار کر کے ہر جگہ سے اٹھ رہے تھے اور ہر جگہ پہنچ رہے تھے، ان میں راہب اور قسیس بھی شامل تھے، گرجاؤں اور عبادت گاہوں میں لوگوں کا انبوہ در انبوہ جمع تھا، مال و دولت اور ساز و سامان کی کوئی

کمی نہ تھی۔

ان جھگڑوں میں دَیر و کلیسا کے لوگوں نے جو عملی اور مالی حصہ لیا تھا، اس کے پیش نظر یہ بات ذرا بھی تعجب خیز نہیں ہے کہ عربوں نے سب سے پہلے ان معابد کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکا اور راہبوں کو سخت سے سخت سزائیں دیں، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہماری تاریخیں ایسے قصوں سے بھری پڑی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ عربوں نے دَیر و کلیسا کی عمارتیں کس کس طرح مسمار کیں اور راہبوں اور پادریوں کو کس کس طرح تکلیفیں پہنچائیں، اس لیے کہ ان تاریخوں کے لکھنے والوں میں بھی راہب اور پادری شامل ہیں۔

راہبوں کی لکھی ہوئی تاریخوں میں گرجاؤں اور کلیساؤں کی عربوں کے ہاتھوں بربادی کی جو داستانیں بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے دَیر جوشسل[۸] کو جو بیزیہ[۹] کے قریب تھا منہدم کر دیا۔ مقدس کلیسا بوریل[۱۰] کو مسمار کر دیا، جو نیم کے جوار میں تھا، نیز انھوں نے دیر صنجیل[۱۱] کو زمین کے برابر کر دیا، جو آرل کے پاس واقع تھا۔ اسی طرح انھوں نے دَیر ترتیل[۱۲] کو کھنڈر بنا دیا جو اپنی دولت و ثروت کے اعتبار سے غیر معمولی شہرت رکھتا تھا، یہ دیر اسقی مورث[۱۳] کے قریب تھا، اس دیر کو دیر ترتیل اس لیے کہتے تھے کہ یہاں کے رہنے والے راہبوں نے یہ بات اپنے اوپر لازم کر لی تھی کہ ہمیشہ تسبیح رب کے نغمے گاتے رہیں گے۔ شب و روز یہ لوگ یہیں رہتے تھے۔ عربوں نے بغاوت کے ان مرکزوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور جو راہب اور پادری یہاں رہتے تھے وہ بمشکل اپنی جان بچا کر اور بعض مقدس[۱۴] ذخائر ساتھ لے کر راہ فرار اختیار کر سکے، ان مقامات پر عربوں کو جتنے ناقوس اور جرس ملے ان سب کو انھوں نے توڑ پھوڑ ڈالا۔

سنہ ۷۲۴ء میں اندلس کی امارت عنبسہ[۱۵] کے ہاتھ میں آئی وہ ایک لشکر جرار

لے کر جبال پیرانہ سے گزرتا ہوا بلادِ فرنگ میں گھس پڑا۔ بہت جلد اُس نے ترقشونہ فتح کر لیا، اس کے بعد وہ نیم کی طرف بڑھا، اسے بھی فتح کیا، یہاں کے لوگوں سے رہا اُن لیے اور انہیں برشلونہ[تلفظ] بھیج دیا۔

عنبسہ کی فتوحات کو ایزیدورالباجی کمالِ جنگ کا عروج قرار دیتا ہے، جن میں قوت کا استعمال اتنا نہیں ہوا جتنا کمالِ فن کا۔ بلادِ غال سے جو خراج وصول کیا جاتا تھا اسے عنبسہ نے دگنا کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ باشندگانِ شہر پر بھی عنبسہ نے خراج بڑھا دیا تھا، لیکن میرے خیال میں یہ بات صحیح نہیں۔ عنبسہ کے زمانہ میں سرکاری محاصل اور آمدنی میں جو اضافہ ہوا وہ اس کے ظلم کا نہیں، حسنِ تدبیر اور حسنِ انتظام کا نتیجہ تھا۔ ۱۰۷ھ[۲۵] میں عنبسہ بھی سمح کی طرح ایک جنگ میں لڑتا ہوا مارا گیا۔

عنبسہ کے بعد قیادت عذرہ کے حصہ میں آئی۔ اب حالت یہ تھی کہ اسلام کی باد تند جولاں بلادِ مسیحی پر ہر طرف سے چھائی ہوئی تھی، جیسا کہ ایک طرف مورخ نے کہا ہے کہ سبتمانیہ سے حدود دِرُون تک اور البجوکر[تلفظ]، نیز روزغ[تلفظ]، جیفودان[تلفظ] اور شیلاری[تلفظ] سارے علاقے غاراتِ عرب کا میدان بنے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے علاقے بھی تھے جہاں عربوں کے قدم فیروزمندی اور کامرانی کے ساتھ پہنچ رہے تھے، چنانچہ روڈحص[تلفظ] پر عربوں نے قبضہ کر لیا اور یہاں ایک بہت بڑا قلعہ بھی بنایا، جس کا نام قلعہ روک[۲۲] بریلیت یا قلعہ لافیہ تھا۔

ان توازل کا چشم دید گواہ ایک شخص داددن[۲۴] ہے۔ عرب جب شہر میں داخل ہوئے تو داددن اسلحہ سے آراستہ ہو کر اور اپنے ہم وطنوں کی ایک مسلح جماعت ساتھ لے کر لڑنے کے لیے نکلا۔ اس کے جانے کے بعد کچھ عرب سپاہی اس کے گھر آئے، یہاں اُس کی ماں کے سوا کوئی نہ تھا، اسے انہوں نے گرفتار کر لیا اور اپنے

قلعہ میں آگئے، دادون کو جب یہ اطلاع ملی کہ اس کی ماں گرفتار کر کے قلعہ لائی گئی ہے تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت قلعہ کے دروازہ پر پہنچا اور اپنی ماں کی واپسی کا مطالبہ کیا، اس کے مطالبہ کے جواب میں ایک عرب نے کہا:

"اگر تم اپنی ماں کو واپس لینا چاہتے ہو تو یہ گھوڑا جس پر تم سوار ہو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہاری ماں کو ہم ذبح کر دیں گے۔"

دادون نے جوشِ غضب سے بے قابو ہو کر کہا:

"میری ماں کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو مگر میں اپنا گھوڑا حوالے نہیں کروں گا۔"

اتنے میں ایک بربر دادون کی ماں کو لے کر آیا، اس نے اس کا سر کاٹا اور قلعہ کی دیوار کے نیچے پھینک دیا جو بالکل دادون کے سامنے آ کر گرا۔ ماں کا سر دیکھ کر رنج اور غصہ سے دادون نڈھال ہو گیا وہ چیختا چلاتا، روتا اور کہتا تھا:

"میں اپنی ماں کا انتقام لے کر رہوں گا۔"

لیکن دادون کے لیے قلعہ میں داخل ہونا ممکن نہ تھا، وہ واپس چلا گیا، شدتِ غم سے دیوانہ ہو گیا، لوگوں سے قطع تعلق کر کے وادیٔ نور دون[۲۷] کے کنارے ایک مکان میں رہنے لگا، جہاں بعد میں وہ دیر بنایا گیا جو دیر کونک[۲۸] کے نام سے مشہور ہے۔

دیتو نے یہ حادثہ ابو الولید نیبلوس[۲۵] کے قصیدہ سے لیا ہے جس کو مرداتوری اور بوکیہ[۲۹] نے گال مرتینیو کے مجموعہ سے لیا ہے علاوہ ازیں موسیو بیرکس[۳۰] نے تاریخ جرمانین میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

اس حادثہ کا ذکر نیجلوس کے قصیدہ کے ۲۰۰ اشعار میں ہے، لیکن اس قصیدہ میں

اور ڈیرکرنک کی تاریخ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کی نشان دہی کرتی ہو جب عربوں نے حملہ کیا تھا، لیکن چونکہ یہ معلوم ہے کہ نادون آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں مرا تھا اس سے حادثہ کا زمانہ متعین ہو سکتا ہے، انقلاب فرانس تک ڈیر کرنک اپنی جگہ قائم تھا۔

رینو نے سرزمین فرانس پر غارات عرب کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے جو دیر موناستیہ[31] میں جو فیلی[32] کے قریب وقوع پذیر ہوا تھا۔ حادثہ یہ ہے کہ مسلمان لیوی[33] اور کلیر مون[34] اور کنیسہ[35] برلیو کو تباہ کرنے کے بعد دیر موناسیتہ میں پہنچے۔ شافر نے جو رئیس دیر تھا اپنے راہبوں کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ آس پاس کے علاقوں میں منتشر ہو جائیں لعد دیر کی قیمتی اور نفیس چیزیں لیتے جائیں اور کسی مناسب مقام پر انہیں چھپا دیں، پھر مسلمانوں کی یہ آفت جب ٹل جائے تو موقع دیکھ کر یہ چیزیں لے کر دیر میں پھر واپس آجائیں، اپنے بارے میں اس نے کہا کہ وہ اسی دیر میں رہے گا، خواہ یہ وحشی مسلمان اس کے ساتھ کیسا ہی سلوک کیوں نہ کریں، اگر ممکن ہوا تو وہ ان لوگوں کو بھی صراط مستقیم دکھائے گا، ورنہ انہوں نے قتل کر دیا تو لباس شہادت میں ملبوس ہو کر خدا کے سامنے پہنچ جائے گا۔ یہ سن کر راہب آہ و بکا اور فریاد و شیون کرنے لگے، انہوں نے شافر سے استدعا کی کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلے ورنہ ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ مرنے کی اجازت دے۔

لیکن مقدس شافر نے اپنی بات پر اصرار کیا اور کہا کہ کلیسا کا فائدہ اسی میں ہے جو میں کہہ رہا ہوں، اس کے بعد پولوس کا واقعہ بیان کیا کہ یہود اس کے دشمن تھے اور دمشق میں گلی گلی، کوچے کوچے اسے ڈھونڈتے پھرتے تھے، وہ ان سے بچنے کے لیے بھاگا، ایک رات شہر کی دیوار سے ایک ٹوکری لٹکی ہوئی دیکھی اس میں بیٹھ گیا۔ اور یہودیوں کے پنجۂ ستم سے بچ گیا، اسی طرح حواریین کے سردار پطرس کا قصہ بھی بیان

کیا جو بربر دن کی دیر سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا تھا اس کے بعد مقدس شافر نے کہا:

"جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس دیر سے باہر نہیں نکلوں گا، یہ بات راہبی پر واجب ہے کہ اگر ضرورت ہو تو اپنی جان دے کر رہبت کو بچالے۔"

راہبوں نے جب دیکھا کہ مقدس شافر اپنے ارادہ پر جما ہوا ہے تو وہ اطاعت پر مجبور ہو گئے اور دیر کی نفیس اور قیمتی چیزیں لے کر نکل گئے، یہ لوگ جنگل میں جا کر چھپ رہے، لیکن ان میں سے دو آدمیوں نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ دیر میں کیا ہو رہا ہے۔ اب عرب دیر میں داخل ہو چکے تھے، مقدس شافر دیر کے ایک زاویہ میں مصروف عبادت تھے، مسلمانوں نے مقدس شافر سے کوئی تعرض نہیں کیا، البتہ دیر کا اس امید میں چکر کاٹنے لگے کہ یہاں مال غنیمت مل سکے گا، ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جو راہب موجود ملیں انہیں گرفتار کرلیں اور ان میں سے جو نوجوان اور توانا اور تندرست ہوں انہیں اندلس کے بازار غلاماں میں جا کر بیچ دیں جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ راہب بھاگ چکے ہیں اور دیر میں کوئی قیمتی چیز موجود نہیں ہے تو غصہ سے بے قابو ہو کر مقدس شافر کو پیٹنا شروع کر دیا۔

اس دن بربروں کی عید تھی، جس میں وہ اللہ کے لیے قربانی کیا کرتے تھے۔ مورخ نے یہ نہیں بتایا ہے کہ اس قربانی کی شکل کیا تھی، لیکن اتنا کہا ہے کہ یہ لوگ عید کے دن شراب پیتے اور ناچتے گاتے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس جماعت نے فیلائی پر غارت گری کی تھی وہ مسلمان نہیں تھی بلکہ یہ وہ بربر تھے جو اب تک بت پرستی پر قائم تھے، مقدس شافر نے اس موقع پر ان کے پاس جا کر انہیں نصیحت کی کہ عبادت شیاطین کے بدلے خالق اقوام کی عبادت کریں، کہ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ دنیا نہ ہوتی، کچھ نہ ہوتا، بجائے اس کے کہ یہ نصیحت قبول کرتے وہ اور بھڑک اٹھے۔

ان میں سے ایک آدمی اُٹھا اور اس نے پتھر کھینچ مارا، مقدس شافر بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے، اس کے بعد مؤرخ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان پر باد و برق کا طوفان بھیجا۔ آخر دیر کو چھوڑ کر وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، چند روز بعد مقدس شافر کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد راہب اپنے دیر میں واپس آ گئے۔ ہر سال ۱۹ ویں اکتوبر کو مقدس شافر کی یاد میں ایک جلسہ منعقد ہوتا تھا۔ انقلاب فرانس کے وقت تک یہ دیر اپنی جگہ قائم تھا۔

بربر کے برعکس عربوں کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے دوفینی، لیون اور بلادِ برغونیہ پر حملہ کیا تو ایک مؤرخ کے بیان کے مطابق کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا اتنا رعب ڈال دیا تھا کہ طلب عامہ کے سوا مسلمانوں کے سامنے کسی کو آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مسلمان جہاں بھی جاتے تھے، شہروں کے دروازے کھل جاتے تھے۔ اور لوگ اسلام قبول کرنے لگتے تھے۔"

رینو نے مذکورہ عبارت مقریزی سے نقل کی ہے۔ آگے چل کر رینو نے کہا ہے:

"ان مقامات کی حقیقت جہاں عرب فاتح کی حیثیت سے پہنچے پورے طور پر ابھی نہیں معلوم ہے۔ جو کچھ اندازہ ہوتا ہے وہ ان اشیاء و آثار سے جو اب تک نظر آ جاتے ہیں۔ مثلاً رون کے کنارے ٹرانی ٹیسین میں جو دیر اور کلیسا مسلمانوں کو ملے، انہیں انہوں نے کھنڈر بنا دیا اسی طرح لیون میں، جسے عرب لودون کہتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بڑے بڑے گرجوں کو مٹی کے ڈھیر کی صورت میں دیکھا ہے، اسی طرح ماسون، شالون اور ناربون میں بھی خرابے اور کھنڈر دیکھے جا سکتے ہیں۔ مسلمان شہر ٹورنوس میں بھی پہنچے تھے۔ یہاں انہوں نے کنیسہ سان تازیر اور کنیسہ سان جان اور دیر سان مارٹین میں آگ لگا

لگادی، اسی طرح دیر شیتی اندوش کو بھی جو موتیوں میں واقع ہے ڈھا دیا۔ علاوہ ازیں دیر بیز کو جو دیجون کے قریب ہے تباہ کر دیا۔"

رینو نے مذکورہ حوادث تاریخ مواساک سے اخذ کیے جو بلاد غال کے مورخین کا مجموعۂ تاریخ ہے علاوہ ازیں اس نے بلاد نشبیہ اور تاریخ غالیا کرشانیہ سے بھی مواد حاصل کیا ہے۔

بعض مورخین نے غارات عرب کا سلسلہ اور دور تک پہنچا دیا ہے، ان کے بیان کے مطابق عرب وہیں نہر لوار تک جو نیبر کے قریب ہے اور علاقہ فرنچ کونٹی تک پہنچ گئی تھیں۔

"بعض مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ دیر سان کولومبان کو بھی عربوں نے مٹا دیا تھا۔ اور وہاں کے اکثر راہبوں اور پادریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد رینو کہتا ہے:

"ان روایات میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خلاف عقل ہو، خاص طور پر فرنچ کونٹی کے علاقہ کے بارے میں جو روایات ہیں ان کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، کیونکہ اب تک بہت سے عربی آثار و اسماء وہاں موجود ہیں۔

بعض مورخین کا یہ قول بھی ہے کہ جہاں ٹیج کا اور دیر لوک سول کا بھی عربوں نے نام و نشان مٹا دیا تھا، یہاں جتنے راہب انہیں ملے انہیں قتل کر دیا، ان راہبوں کی سرداری مقدس بیلین کے ہاتھ میں تھی۔"

رینو نے مذکورہ روایت فادر لکا نٹ اور مابیون سے نقل کی ہے، پھر کہتا ہے:

"مسلمانوں کو کسی جگہ بھی مزاحمت اور مقاومت سے نہیں دو چار

ہونا پڑا، سوا شہر سنس[؟] کے۔ اس شہر کا مطران ایک شریف خاندان کا فرد تھا جس کا نام ابیبولؑ تھا اور جو اپنے فضائل و کمالات کی بنا پر گروہ مقدسین میں شمار ہونے لگا تھا۔ اس مطران کو جب معلوم ہوا کہ عرب اس کے شہر کی طرف آ رہے ہیں تو اس نے حفاظتی انتظامات شروع کر دیے اور اسباب دفاع فراہم کر لیے۔ چنانچہ جب عرب شہر کے قریب پہنچے تو باشندگان شہر نے فصیل کی دیواروں پر کھڑے ہو کر منجنیقوں سے ان پر آگ برسانا شروع کر دی جس سے ان کے آلات جنگ بھی جل گئے۔"

رینو کو یہ شکایت ہے کہ جن مورخین نے یہ واقعہ بیان کیا ہے انہوں نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ یہ غارت گری کرنے والے سرازین یعنی مسلمان تھے۔

آگے چل کر رینو نے لکھا ہے:۔

"بہر حال یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ عرب شاہسواروں نے سرزمین فرانس کو پامال کیا اور وہ اندرون فرانس تک گھستے چلے گئے۔ شروع میں اہل فرانس نے جنگ کا مقابلہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ چند مستثنیات سے قطع نظر یہاں کے باشندے عام طور پر نہ دین کے معنی سے واقف تھے، نہ وطن کے۔ شارل مارٹل عربوں کی پیش قدمی کے زمانہ میں داخلی جنگوں میں مصروف تھا، لیکن عرب مورخین چونکہ ان منافسات داخلی سے ناواقف نہیں لہذا وہ شارل مارٹل ـــ جسے وہ قارل کہتے ہیں، کے سکوت کی توجیہ یوں کرتے ہیں:

"بہت سے امراء فرنگ گھبرائے ہوئے قارل کے پاس پہنچے اور اس سے شکوہ سنج ہوئے کہ مسلمانوں کی تاخت نے حالات ثابت

زیادہ ابتر کر دیے ہیں اور بتایا کہ اس سے بڑھ کر شرم کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ عربی لشکر جس کی تعداد کم ہے اور سامان جنگ کم تر، ان جیوش فرنگ پر غالب آرہا ہے جن کی تعداد زیادہ ہے اور سامان جنگ بہت زیادہ ہے۔"

قارل نے جواب دیا:

"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، جو کچھ کر رہے ہیں کرنے دو، ان کا یہ دبدبہ اس سیل رواں سے مشابہ ہے جو اپنے ساتھ ہر چیز کو بہا لے جاتا ہے، لیکن جب ان کے ہاتھ مال غنیمت سے بھر جائیں گے، جب وہ آسائش اور آرام کی زندگی کے خوگر ہو جائیں گے تو ان پر طمع غالب آجائے گی۔ وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگیں گے، ان کی صفوں میں ابتری پیدا ہو جائے گی، پھر ہم اٹھیں گے اور ان کا قلع قمع کر کے رکھ دیں گے، انہیں اس طرح کاٹ ڈالیں گے جیسے کھڑی فصل کاٹی جاتی ہے۔"

رینو نے یہ عبارت مقری کی کتاب نفح الطیب سے نقل کی ہے۔

عربوں کی تباہی و بربادی اور زوال و انحطاط کے دو بڑے عامل ہیں۔

ایک تو یہ کہ جب مسلمانوں نے یورپ کی سرزمین پر قبضہ اور تسلط شروع کیا تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد عرب اور بربر کا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ جمیع مورخین عرب و فرنگ اس بات پر متفق ہیں کہ شمالی اسپین میں مسلمانوں کے مابین جو خانہ جنگی ہوئی اور جس میں بربر عرب پر غالب آئے اور انہیں اس دیار سے نکال دیا۔ یہی سب سے بڑا سبب ہے۔ فرنگیوں کی کامیابی کا اور مسلمانوں کی تباہی کا۔ پھر اس کے بعد جب عربوں نے اپنی قوت مجتمع کی اور قوم بربر پر غالب آئے اور ان کی پچھلی زیادتیوں کا ہولناک انتقام لیا

اس سے اسپانیوں اور فرنگ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا، انھوں نے عربوں پر حملہ کیا، انہیں پیچھے دھکیل دیا قلعے چھین لیے، شہر خالی کرا لیے، حماقت کی سنگینی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب قرطبہ میں یہ عہد خلیفۂ ہشام ثانی عرب اور بربر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے تو ان میں سے ہر ایک مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کافروں سے یعنی اسپانیوں سے جو اندلس پر قبضہ کرنے کی گھات میں لگے ہوئے تھے، مدد حاصل کرنے کے لیے پہنچتا تھا اور ان میں سے ہر ایک وعدہ کرتا تھا کہ اگر آپ کی مدد سے ہم کامیاب ہوئے تو فلاں فلاں قلعے اور فلاں فلاں شہر ہم آپ کو دے دیں گے اور قرطبہ کا اولما لامر بے بسی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔[۱۵]

دوسرا عامل جو پہلے سے کسی طرح کم نہیں تھا، یہ تھا کہ اب عربوں میں مال غنیمت حاصل کرنے کی چاٹ پڑ گئی تھی اور وہ بے انتہا حریص ہو گئے تھے، یہی چیز تھی جس نے انہیں شکست و ہزیمت سے دوچار کیا۔"

رینو نے اپنی تاریخ میں عبدالرحمن غافقی کا ذکر کیا ہے:۔

۱۱۳ھ میں اندلس کی امارت اس کے ہاتھ میں آئی، یہ شخص بہادر اور عادل تھا اور چونکہ حب دنیا اور حب جاہ سے کوئی رغبت نہیں رکھتا تھا اس لیے اہل لشکر اسے بہت پسند کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ متقی، پرہیزگار اور عالم بھی تھا اور حدیث نبوی میں اسے خاص طور پر زیادہ درک حاصل تھا، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے ایک بیٹے سے اس کے مراسم بہت گہرے تھے۔[۱۶]

عبدالرحمن غافقی کے حالات و سوانح مکمل طور پر بیان کرنے سے پہلے ہم بلاد شہدا کا مختصر طور پر ذکر کر دینا چاہتے ہیں تاکہ عنبسہ اور غافقی کے عہد کے درمیان کا یہ واقعہ نظر انداز نہ ہو جائے۔

کانڈی کہتا ہے :۔

"عنبسہ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ تنظیم خراج اور مسلمانوں کے مابین تقسیم اراضی کا کام تھا، تقسیم اراضی اس طرح کی کہ اصلی باشندوں کے حقوق اور قبضۂ ملکیت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ عشر ان لوگوں سے لیا جاتا تھا جو بغیر لڑے بھڑے مسلمانوں کی بالادستی قبول کر لیتے تھے اور خمس ان لوگوں سے لیا جاتا تھا جو بزور شمشیر گردن جھکاتے تھے۔ ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد عنبسہ نے قرطبہ کا مشہور پل بنوایا۔[۷۷]

عنبسہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد حکومت میں ہر شخص کے ساتھ بغیر تفریق نسل و مذہب اور قوم و وطن کے عدل کا برتاؤ کیا، لیکن طرسونہ کے رہنے والے اس حسن سلوک کے باوجود آمادۂ جنگ ہوئے، عنبسہ نے بھی جنگ کی اور انہیں شکست دے کر ان کے قلعے ڈھا دیے، بغاوت کے سرگروہوں کو سزا دی اور شرکائے بغاوت پر جرمانے عاید کیے۔

اس کے بعد عنبسہ کے لشکر نے بلاد فرنگ کا رخ کیا اور یہاں کافی تباہیاں پھیلائیں۔ دشمن کے شہروں کی یہ پامالی بھی عنبسہ کو ناپسند تھی، کیونکہ وہ ظلم اور زیادتی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، اسے اندیشہ تھا کہ اس طرح میرا لشکر کہیں اسلامی خصائص سے محروم نہ ہو جائے۔"[۷۸]

آگے چل کر کانڈی نے لکھا ہے :۔

"اسی زمانہ میں ایک نیا نبی سوریہ میں پیدا ہوا جس کا نام زنہ ناریا تھا۔[۷۹] اس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہی مسیح منتظر ہے جس کا انتظار یہودی کر رہے ہیں، اندلس کے عربوں کو جب یہ خبر ملی اور ان میں کثیر تعداد اہل شام کی تھی تو زونا ریا کے قول کو سچ سمجھ کر اور ان غنائم سے دستبردار ہو کر اور ان مساکن سے قطع تعلق کر کے جو انہوں نے خود آباد کیے تھے، سوریہ واپس چلے گئے، عنبسہ نے ان کے املاک ضبط کر لیے اور انہیں بیت المال کے حوالے

کردیا، اگلے سال اس نے بلادِ فرانس میں جہاد کیا، شروع شروع میں کامیابی اس کی ہم عنان رہی، کامیابی اور کامرانی کے ساتھ وہ آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ تھرودن تک کو عبور کر لیا، انہیں جنگوں میں سے ایک میں وہ بری طرح زخمی ہوُا اور بالآخر انتقال کر گیا۔ یہ واقعہ ۱۰۶ھ کا ہے، مرنے سے پہلے اس نے ہدیرہ فہری کو اپنا جانشین بنا دیا۔ لیکن وہ بہت مختصر عرصہ تک اس منصب پر فائز رہا، کیونکہ امیر افریقہ نے یحییٰ بن سلمہ کو امیر اندلس بنا کر بھیج دیا تھا، یہ شخص اچھا سپہ سالار، تجربہ کار، منتظم، اصل دوست، بہادر، سیر چشم اور بہت سی خوبیوں کا حامل تھا، مسلمان اور مسیحی دونوں اس کے انصاف سے لرزتے تھے، اس کی یہی خوبیاں اس کے لیے وبالِ جان بن گئیں، جب ولایت شمالی کا دورہ کر رہا تھا، دشمنوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے امیر افریقہ سے لگائی بجھائی کرکے اسے معزول کرادیا۔ اب عثمانؓ بن ابی نسعح امیر اندلس بن کر آیا، یہ شخص بھی اپنے پیشرو کی خوبیوں کا حامل تھا، چنانچہ تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ بھی سازشوں کا شکار ہوُا اور اس کی بجائے حذیفہ بن احوص امیر اندلس بن کر آیا لیکن یہ بھی زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکا۔ اس کے بعد پھر عثمان بن ابی نسعح والی بنایا گیا، اس مرتبہ اسے ولایت خود نہیں کی بلکہ اپنے وکیل کو بھیج دیا۔ یہاں تک کہ دمشق سے خلیفہ کا فرمان لے کر ہیثم بن عبید کنعانی آیا اور والی بن گیا، یہ شامی تھا مگر حد درجہ بخیل اور کنجوس، شیوخ عرب اور بربر اس سے نفرت کرنے لگے اور اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اس نے انہیں جیل میں ڈال دیا اور بعض کو ہلاک کر دیا۔

جن لوگوں کو ہیثم نے مبتلائے مصیبت کیا تھا ان میں زیاد بن زید بھی تھا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے خلیفہ تک شکایت پہنچائی کہ ہیثم اندلس پر ایسی پالیسی پر عمل کر رہا ہے جس کا نتیجہ صرف مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

خلیفہ ہشام نے ان شکایات سے متاثر ہو کر محمد بن عبداللہ کو اندلس بھیجا اور اسے تاکید کی کہ ہیثم کے بارے میں جو شکایات اُسے ہیں ان کی تحقیق کرے ۔ اگر شکایات درست ثابت ہوں ہیثم کو معزول کر دیا جائے اسے سزا دی جائے اور اس کی جگہ کوئی موزوں شخص امیر اندلس بنا دیا جائے ۔

محمد اندلس آیا اور اس نے اچھی طرح تحقیقات کی ہیثم مجرم ثابت ہُوا لہٰذا اسے جیل بھیج دیا اور جو لوگ اسیر زنداں تھے انہیں رہا کر دیا ۔ اور ان کا ضبط شدہ مال و منال واپس دے دیا ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہیثم کو اندلس سے افریقہ جلاوطن کر دیا اور قرطبہ کی گلیوں میں گدھے پر بٹھا کر اس کی تشہیر کرائی ۔

محمد بن عبداللہ نے اندلس کی امارت عبدالرحمٰن غافقی کو سونپ دی سب لوگوں نے اس انتخاب کو پسند کیا ، اس لیے کہ اس کی نجابت اور فضائل و محامد کا سب کو اعتراف تھا ۔ کسی شخص نے بجز عثمان بن ابی نسعہ کے جو اپنے آپ کو امارت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتا تھا ، اطاعت سے انکار نہیں کیا ۔

عبدالرحمٰن نے ۱۱۳ھ (مطابق ۷۳۱ء) میں عنان امارت اپنے ہاتھ میں لی یہ شخص لوگوں کے ساتھ شفقت اور عنایت کا برتاؤ کرتا تھا ۔ اقامت عدل اور دفع مظالم کی ہمیشہ فکر میں رہتا تھا ۔ لوگوں کے حقوق برابر ادا کرتا تھا ۔ اس کے زمانہ میں نظم و ضبط اور امن و امان کا یہ عالم تھا کہ مسلسل دو سال تک اس نے اندلس کے مختلف مقامات کا دورہ کیا اور اس مدت میں کسی طرح کی شورش اور بد امنی نہیں ہوئی اس دورے کا مقصد یہ تھا کہ مظلوم کو اس کا حق دلایا جائے ۔ اگر لوگوں کو کچھ شکایات ہوں تو ان کا تدارک کیا جائے ۔ وہ بنفس نفیس شکایات سنتا اور حالات کی تحقیق کرتا تھا ، حق و انصاف کے معاملہ میں مسلمان اور مسیحی کے مابین کسی طرح کی تفریق نہیں

کرتا تھا، اس نے بہت سے حاکموں اور افسروں کو معزول کر دیا اس لیے کہ رعیت پر ان کے مظالم ثابت ہو گئے تھے، اس نے عیسائیوں کو ان کے وہ کلیسے بھی واپس کر دیے جو ان سے چھین لیے گئے تھے اور جن پر از روئے معاہدہ ان کا حق تھا، ان کنیسوں کو منہدم کر دیا جو خلافِ معاہدہ رشوت دے کر بنائے گئے تھے۔

اندلس میں نظم و ضبط اور امن و امان قائم کرنے کے بعد عبدالرحمٰن کو جوشِ جہاد اکسانے لگا، آخر وہ سرزمین فرانس کی طرف حملہ کرتا ہوا بڑھا، اپنی مملکت میں اس نے کئی ایسے شہر شامل کر لیے جو قدیم زمانہ سے گوتھ کے ماتحت چلے آ رہے تھے، پھر اس نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا جس میں چنے ہوئے ماہرینِ جنگ اور سورماؤں کو شریک کیا، امیر افریقہ سے مدد طلب کی۔ اس نے بھی ایک لشکر مدد کے لیے بھیج دیا، امیر افریقہ کی فوج جب عبدالرحمٰن کی فوج سے آکر مل گئی تو اس نے امیر سرحد عثمان بن ابی نسعہ کو پیغام بھیجا کہ وہ دشمن کو اپنے غارات سے مشغول رکھے، اتنے میں بڑا لشکر لے کر وہ آتا ہے۔

عثمان عبدالرحمٰن سے خار کھائے بیٹھا تھا، وہ اس کام میں نشاط و مسرت کے ساتھ حصہ لینا نہیں چاہتا تھا جس کو عبدالرحمٰن نے شروع کیا ہو۔

جنگ سے کراہت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ابھی ایک خانہ جنگی کے موقع پر اکتیانیہ کے سردار اُودو کی لڑکی اس کے ہاتھ آ گئی تھی جس کا نام نومیر السہ تھا، بعض روایات کے مطابق اس کا نام ملینین تھا، لیکن یہ لام ملیجیہ کے نام سے مشہور تھی، یہ غیر معمولی طور پر حسین و جمیل واقع ہوئی تھی۔ عثمان اس کے دامِ محبت میں اسیر ہو گیا اور اس سے شادی بھی کر لی، جس طرح عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر نے شہزادی ایجیلونہ سے جو بادشاہ لذریق کی بیوہ تھی شادی کر لی تھی۔ عثمان بن ابی نسعہ نے ملینین سے شادی کرنے کے بعد اپنے خسر شاہِ اکتیانیہ سے معاہدہ امن کر لیا، جس کی وجہ سے اکتیانیہ ایک

عرصہ دراز تک عربوں کے حملوں سے محفوظ رہا۔

امیر عبدالرحمٰن غافقی جب امیر عثمان بن ابی نسعہ کے پاس آیا اور اکیتانیہ کے علاقہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تو عثمان چکر میں پڑ گیا۔ آخر امیر عبدالرحمٰن کو یہ کہہ کر اس نے حملہ سے باز رکھا کہ جب تک معاہدہ کی مدت ختم نہ ہو جائے اسے توڑا نہیں جا سکتا، لہٰذا ہم اس پر حملہ کیسے کر سکتے ہیں۔

عبدالرحمٰن کو عثمان کی شادی کا حال معلوم تھا، وہ جانتا تھا کہ اپنی بیوی کی محبت کے باعث یہ جنگ کرنے سے گریز کر رہا ہے، عثمان کی اس حرکت سے اُسے بہت غصہ آیا، اس نے کہا:۔

"امیر اندلس میں ہوں، میرے علم و اجازت کے بغیر اہل فرنگ سے اگر کوئی معاہدہ کیا جائے تو اس کی پابندی میرے اوپر ضروری نہیں ہے، میں جہاد کے لیے میدان میں اُتر چکا ہوں اور اس فریضہ کو ادا کئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

عثمان کی امید جب منقطع ہو گئی اور اس نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن بلا دا اُود پر حملہ کیے بغیر واپس نہیں جائے گا تو اس نے اپنا ایک آدمی بھیج کر سارے حالات سے اُود کو مطلع کر دیا، یہاں تک کہ ان اطلاعات سے واقف ہو کر اس نے وسائل دفاع مہیا کر لیے۔

عبدالرحمٰن کو عثمان کی اس حرکت کا علم ہو گیا، اس نے ایک لشکر عثمان کے شہر شلہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا، اس لشکر کی قیادت ابن زیان کے ہاتھ میں تھی جو عبدالرحمٰن کے منتخب اور معتمد لوگوں سے تھا اور اسے ہدایت کر دی کہ اگر ممکن ہو تو عثمان بن ابی نسعہ کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھیج دیا جائے اور اگر وہ سرکشی کرے تو اس کا خون معاف ہے۔

ابن زیان لشکر لے کر بیک عثمان کے مستقر پر پہنچ گیا اور اس کا ارادہ تھا کہ اس کو گرفتار کر لے لیکن وہ کوہستانی علاقہ میں بھاگ گیا، اس کے ساتھ بعض رفقاء بھی تھے اور محبوب بیوی شہزادی ملینین بھی، جس سے ایک پل کے لیے بھی جدا رہنا اسے گوارا نہ تھا۔

ابن زیان کا لشکر اس کے تعاقب میں چلا، یہاں تک کہ اُسے پالیا اور اسے گھیرے میں لے لیا۔ اس نازک موقع پر ہر شخص نے ساتھ چھوڑ دیا، سوا اس کی خوبصورت بیوی کے کوئی اس کا رفیق نہ تھا، عثمان کا حوصلہ قائم تھا اس نے ہتھیار نہیں ڈالے وہ شیر کی طرح اپنی بیوی کی حفاظت میں بھپر بھپر کر حملے کرنے لگا، لیکن وہ اکیلا اتنے آدمیوں کا کیسے مقابلہ کرتا۔ آخر مقتول ہو کر گر پڑا، اس کے جسم پر نیزے کے گھاؤ اور تلوار کے زخم اتنے زیادہ تھے کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہ تھا۔ ابن زیان کے لشکریوں نے اس کا سر کاٹ لیا۔ اس کٹے ہوئے سر اور شہزادی ملینین کو عبدالرحمٰن کے پاس بھیج دیا۔ عبدالرحمٰن نے جب ملینین کے حسن عالم آشوب کو دیکھا تو بے ساختہ کہہ اُٹھا۔

"خدا کی قسم مجھے اس کا گمان بھی نہ تھا کہ جبال پیرانہ میں ایسا حسن عالم آشوب بھی مل سکتا ہے۔"

یہ واقعہ ۷۳۱ء (مطابق ۱۱۳ھ) کا ہے۔

امیر عبدالرحمٰن نے شہزادی ملینین کو خلیفہ کی خدمت میں تحفہ کے طور پر بھیج دیا۔ اور اس طرح شاہ اکیتانیہ کی بیٹی شام کے اموی خلیفہ کے حرم میں داخل ہو گئی۔

قتل عثمان کی خبر جب شاہ اکیتانیہ کو پہنچی تو اس نے محسوس کر لیا کہ اب جنگ سر پر آگئی ہے۔ اس نے زور شور سے جنگی تیاریاں مکمل کر لیں، لیکن عربی لشکر جبال پیرانیہ سے اس تیزی کے ساتھ گزرا جیسے رُودِ کوہی، جس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ اس

لشکر نے ارض نافارا سے لے کر ارض بوردو[۱۸] تک سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا، مسلمانوں کو اس جنگ میں بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا، اسلامی لشکر جب بوردو پہنچا تو یہاں کے باشندوں نے زبردست مدافعت کی، لیکن عرب لشکر نے ان کی مزاحمت پارہ پارہ کر دی اور شہر پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا۔ بوردو کے جو لوگ جنگی قیدی کی حیثیت سے گرفتار ہوئے تھے ان میں سے بہتوں نے فدیہ دے کر رہائی حاصل کر لی، لیکن امیر بوردو اس جنگ میں قتل ہو گیا۔

بوردو کی فتح سے فارغ ہو کر عبدالرحمن کی فوجیں شمال کی طرف بڑھیں، راستہ میں شاہ اکتیانیہ سنگ راہ بنا کھڑا تھا، اس نے دوردون[۴۲] کے ڈھنگناٹے میں عرب لشکر کو روکنے کی کوشش کی، کیونکہ اگر یہاں بھی عربوں کا سیل رواں نہ روکا جا سکتا تو پھر کہیں نہیں روکا جا سکتا تھا۔ لیکن اود کی قسمت میں شکست لکھی تھی، اپنا لشکر لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔

شاہ اکتیانیہ یعنی اود نے اس موقع پر اس حسد اور کینہ کو فراموش کر دیا جو اس کے اور شارل مارٹل کے درمیان تھا اور اس کے پاس ایک نہایت دردناک پیغام بھیج کر مدد کا جویا ہوا۔ شارل مارٹل کے لیے اس اپیل کو منظور کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ انسانیت کے نقطۂ نظر سے نہیں، سیاست کے نقطۂ نظر سے، کیونکہ سارے فرانس اور ممالک مجاورہ کی نظر اسی جنگ کے نتیجہ پر لگی ہوئی تھی۔ اہل فرنگ پر اس جنگ میں اگر عرب غالب آجاتے تو ساحل بلطیق تک انہیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔

شاہ اکتیانیہ کی صدائے دردناک فرانس کے ہر گوشے اور ہر کونے میں پہنچی اور شارل مارٹل کے پرچم تلے جوق در جوق لوگ مر مٹنے کی آرزو لے کر جمع ہونے لگے، عرب

پیش قدمی کرتے ہوئے شہر طور پر[۸۳] تک پہنچ گئے۔

اب عبدالرحمٰن غافقی کو اطلاع ملی کہ ایک لشکر عظیم مقابلہ کے لیے تیار کھڑا ہے۔
بلاشبہ عبدالرحمٰن بہادری میں یکتا تھا، جنگ اس کا محبوب مشغلہ تھا لیکن وہ دور اندیش بھی تھا۔ عاقل اور فہیم بھی تھا، محتاط بھی تھا۔ نتائج و عواقب پر اس کی نظر بہت جلد پہنچ جاتی تھی۔ اس نے کچھ دیر تک سوچا، پھر یہ رائے قائم کی کہ ان غنائم ثقیلہ کی حفاظت کا انتظام اہل لشکر کے شوق قتال میں سستی پیدا کر دے گا۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ فوج کو حکم دے کہ جتنا مالِ غنیمت اس کے قبضہ میں ہے اسے یونہی چھوڑ کر آگے بڑھے۔ لیکن پھر اندیشہ پیدا ہوا کہ اس طرح اہلِ لشکر بھاگ جائیں گے۔ لہٰذا اس خیال سے باز آیا، پیش قدمی کر کے طور کا محاصرہ کیا اور بزورِ شمشیر اس پر قبضہ کر لیا۔ شارل مارٹل کا لشکر یہ منظر دیکھتا رہا، شہر میں داخل ہونے کے بعد عربوں نے قتل و غارت میں بہت زیادتی کی۔

پھر طور اور پوائتیہ[۸۴] کے مابین دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ بہت کافی عرصہ تک جنگ جاری رہی۔ عبدالرحمٰن نے جب دیکھا کہ دشمن کا لشکر دباؤ ڈال رہا ہے تو وہ تلوار سونت کر وسطِ لشکر میں پہنچ گیا اور پھر تیر کی طرح دشمن کے لشکر میں جا پہنچا۔ آخر نہایت بہادری سے لڑتا ہوا زخموں سے چور چور ہو کر گر پڑا۔ عرب لشکر نے اپنے قائد اکبر کا جب یہ حال دیکھا تو مرعوب ہو گیا اور پچھلے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا۔ کافی مسلمان سپاہی دشمن کے ہاتھ آئے، فرنگیوں نے بے دردی کے ساتھ انہیں قتل کیا، ہزاروں کی تعداد میں ان کی لاشیں کھلے میدان میں پھینک دیں اور اربونہ تک کھدیڑتے ہوئے چلے گئے[۸۵]۔

اس حادثۂ فاجعہ کی خبر جب اندلس اور افریقہ میں پہنچی تو مسلمانوں کے ہر گھر

میں صف ماتم بچھ گئی۔ امیر افریقہ نے عبدالملک بن قطن الفہری کو عبدالرحمٰن غافقی کا قائم مقام بنا کر بھیج دیا اور اس کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر بھی بھیج دیا اور دمشق میں خلیفہ کو اس واقعہ الیمہ اور امیر عبدالرحمٰن غافقی کے قتل کی اور عبدالملک فہری کو امیر اندلس بنانے کی اطلاع بھیج دی۔ خلیفہ نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور تاکید کی دشمن سے پورا پورا انتقام لیا جائے، لیکن افسوس جبال بیرانہ میں عبدالملک کے لشکر کو بھی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

اب خلیفہ نے عبدالملک کی جگہ عقبہ بن حجاج سلولی کو مامور کیا جو شجاعت اور حسن تدبیر میں غیر معمولی شہرت رکھتا تھا۔

عقبہ نے اندلس پہنچتے ہی حالات کو درست اور ساز گار بنانے کی کوشش کی۔ تصرف کے دروازے بند کر دیے، عدل کے دروازے کھول دیے۔ جو عمّال رعیت پر ظلم کرتے تھے انہیں معزول کر دیا، جن حاکموں نے خزانۂ شاہی میں خیانت سے کام لیا تھا، غیر شرعی محاصل وصول کیے تھے انہیں قید کر دیا۔ ضعفاء کی مدد کی اور اقویہ سے ان کا بدلہ لیا، چوروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کے استیصال کی پوری کوشش کی، بہت سے مدرسے قائم کیے، بہت سی مسجدیں بنائیں۔ مدارس اور مساجد کا خرچ حکومت کے خزانہ سے ادا کیا، معاملات میں مسلمان اور مسیحی کے مابین کوئی تمیز نہیں کی۔

عقبہ کا ارادہ تھا کہ ایک لشکر جرار لے کر سرزمین فرانس کا رخ کرے، خلیفہ کی تاکید بھی یہی تھی، لیکن جب وہ سرقسطہ میں پہنچا تو خبر ملی کہ بربر نے افریقہ میں پہلے کی طرح پھر بغاوت و سرکشی شروع کر دی ہے۔ والی افریقہ نے اسے حکم بھیجا کہ دریا کے راستہ سے لشکر لے کر فوراً طنجہ پہنچ جائے۔ اس طرح عقبہ مجبور ہو گیا کہ جہادِ فرانس کا ارادہ ملتوی کر دے اور طنجہ واپس جائے۔

یہ واقعہ ۱۱۷ھ (مطابق ۷۳۵ء) کا ہے۔

اس سال کے آخر میں استوریہ کا بطل جلیل بیلائی مر گیا، وہ تن تنہا عربوں کا مقابلہ اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ کر رہا تھا۔ یہ میدانی جنگ کا قائل نہیں تھا بلکہ گوریلا جنگ لڑتا تھا۔

رفتہ رفتہ عیسائیوں کی قوت اتنی بڑھی کہ چند صدیوں تک حکومت کرنے کے بعد بالآخر سارے اسپین سے عربوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔

بیلائی کے حالات اور اس کی قوت سے فروغ اور متعلقہ مباحث پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔ اب ہم غزوات عرب کا سلسلہ پھر شروع کرتے ہیں۔

لہ (TOULOUSE) کہ (AQUITAINE)

سہ "بغیۃ الملتمس فی تاریخ الاندلس" میں ابن عمیرہ الضبی نے لکھا ہے کہ سمح بن مالک سنہ ۱۰۲ھ میں بماہ ذوالحجہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

کہ رینو نے یہ واقعات فرانسیسی مورخ کی کتاب "مجموعہ مراساک" سے لیا ہے۔

ھ JAUCES لہ (BEZIERS) کہ SAINT BAUSILE

ھ (NIMES) ۹ھ (SANT-GILEES) ۱۰ھ ARLES

۱۱ھ PSALMODIE ۱۲ھ (AIGUEMARTES)

۱۳؎ یہ واقعہ رینو نے مینارڈ MENARD کی تاریخ نیم سے لیا ہے۔

۱۴؎ یہ واقعہ رینو نے نولیری سے نقل کیا ہے۔

۱۵؎ "بغیۃ الملتمس" میں ابن عمیرہ نے لکھا ہے کہ عنبسہ بن سحیم الکلبی بشیر بن صفوان والئ افریقیہ کی طرف سے ہشام بن عبد الملک کے عہد خلافت میں اندلس کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۰۶ھ کا ہے، ۱۰۷ھ میں اس نے وفات پائی۔

۱۶؎ رینو نے یہ واقعہ تاریخ مواساک (MOISSAC) سے لیا ہے۔

۱۷؎ (ALBIGEOIS) ۱۸؎ (ROUERGUE) ۱۹؎ (GENAUDAN)

۲۰؎ (VELEY, ۲۱؎ (RHODES) ـ اب بھی یہ اسی نام سے مشہور ہے۔

۲۲؎ ROQWPRINE ۲۳؎ BALAGUIEA ۲۴؎ DADAN

۲۵؎ DOURDON ۲۶؎ CONQUES ۲۷؎ ERNOLDUS NIGELLUS

۲۸؎ MURATORI ۲۹؎ BOUQUET ۳۰؎ PERTY ۳۱؎

۳۲؎ MONAZTIER ۳۳؎ VELAY PUY

۳۴؎ CLERMONT A FRMONT ۳۵؎ BRIAUDE

۳۶؎ CHAFFRE - SAINT - علاوہ ازیں اسے SAINT-

THEOFROI بھی کہتے ہیں۔

۳۷؎ DAUPHINE ـ فرانس کا ایک علاقہ

۳۸ یہ فرانس کے بہت مشہور شہروں میں سے ہے۔

---

۳۹ اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

---

۴۰ VIENNE ۔ وادی رون پر یہ شہر واقع ہے۔

---

۴۱ اس شہر کا نام MAGON ہے، یہ ۴۴۱ کیلو میٹر کی مسافت پر پیرس سے جنوب کی طرف واقع ہے۔

---

۴۲ اس قصبہ کا نام CHALON ہے۔

---

۴۳ BON یہ ایک شہر کا نام ہے۔

---

۴۴ AUTUN یہ شہر ماسون کے شمال مغرب میں ۱۰۶ کیلو میٹر کی مسافت پر واقع ہے۔

---

۴۵ SAINT-NAZE/E ۴۶ SAINTGEAN ۴۷ SAINIMARTIN

۴۸ SAINTANDOCHE ۴۹ SAULIEU یہ ایک قصبہ ہے جو ولایت سیمور SEMUR میں واقع ہے۔

---

۵۰ (BEZF)

۵۱ DIJON یہ ۵۱۵ کیلومیٹر کی مسافت پر فرانس کے جنوب میں واقع ہے۔

---

۵۲ PLANCHER ۵۳ GALLIA CHRISTIANIA

۵۴ NEUERS ۵۵ FRANCHE-CAMTE ۔ مشرقی فرانس کا ایک علاقہ۔

۵۶ SAINT-COLOMBAN ۵۷ VOSGES ۵۸ LUXEUIL

۵۹ MELLIN ۶۰ LECOINTE ۶۱ MABILLON

۶۲ SENS ۔ یہ ایک قصبہ ہے جو فرانسیسی علاقہ بورنڈ YONND میں واقع ہے۔

---

۶۳ EBBON

۶۴ SARRAZINS اس زمانہ میں اہل فرنگ مسلمانوں کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔

---

۶۵ ابن عذاری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اہل قرطبہ فتنے میں گرفتار اور بربر کے خلاف تعصب میں مبتلا تھے جو شخص صلح سلام کی دعوت دیتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک بہت بڑے اہل علم نے جامع مسجد میں صلح سلام باہمی کی دعا مانگی وہ اسی طرح قتل کر دیا گیا، ایک مرتبہ ایک شخص نے جامع مسجد میں کہا۔

"اللہ تعالیٰ صلح کو پسند کرتا اور اس کا حکم دیتا ہے"

وہیں اس کی گردن ماردی گئی۔

ایک مرتبہ ایک عورت کسی دوسری جگہ سے قرطبہ میں آئی اس کے ہاتھ میں ہانڈی تھی وہ گری اور ٹوٹ گئی، یہ عورت سیاہ فام تھی، لوگوں نے کہا۔

"یہ کالی کلوٹی عورت ہو نہ ہو بربر ہے۔" بیچاری وہیں ڈھیر کر دی گئی۔

ایک مرتبہ مسیحیوں کے سردار ابن مامہ کا قاصد قرطبہ آیا، یہاں کے لوگوں نے وعدہ کر لیا کہ نہ اس کی سرحد پر چھیڑ چھاڑ کریں گے نہ اس پر فوج کشی کریں گے۔ اس موقع پر جب یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ فقہا، قضاۃ اور حکام وعمال موجود تھے۔ا

ابن عذاری نے آگے چل کر لکھا ہے کہ عیسائیوں کے قاصد جب قرطبہ آئے تو حکام وعمال اور فقہا وقضاۃ نے ان کا خیر مقدم کیا اور ایک معاہدہ لکھا گیا جس کی رو سے کئی قلعے نصاریٰ کو دے دیے گئے۔ اس موقع پر خلیفہ اندلس ہشام اور اس کا حاجب واضح بھی موجود تھے۔ ان سب کے سامنے یہ معاہدہ پڑھا گیا اور سب لوگ جوش مسرت سے بے قابو ہو رہے تھے۔ کیونکہ اسپانیوں کو یہ قلعے اس شرط پر دیے گئے تھے کہ وہ بربر کے خلاف عربوں کی مدد کریں گے اور جو قلعے حکم بن عبدالرحمٰن محمد بن ابی عامر اور اس کے بیٹے مظفر نے خون پانی ایک کر کے جیتے تھے وہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ابن مامہ کو دے دیے گئے۔

ابن عذاری نے آگے چل کر لکھا ہے:

"جب ابن شانجہ کو یہ خبر ملی کہ ابن مامہ نے مفت میں اتنے قلعے حاصل کر لیے تو اس نے بھی دھمکی سے بھرا ہوا ایک خط لکھ کر چند قلعوں کا مطالبہ کیا، اس کا یہ مطالبہ فوراً تسلیم کر لیا گیا اور مطلوبہ قلعے اس کے حوالے کر دیے گئے۔ اس شرط پر کہ وہ کسی حالت میں بربر سے صلح نہیں کرے گا۔"

---

۶۶ "بغیۃ الملتمس فی رجال اہل الاندلس" میں ابن عمیرہ نے عبدالرحمٰن غافقی کے بارے میں لکھا ہے:۔

"یہ شخص عکّہ کا رہنے والا تھا، اندلس کے مرتبہ امارت پر یہ فائز ہوا، اس کا شمار تابعین میں ہوتا تھا، عبدالعزیز بن عمر سے اس نے روایت کی ہے اور اس سے عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز نے روایت کی ہے، اندلس کی ایک جنگ میں جہاد کرتا ہوا اپنے رب سے جا ملا، یہ واقعہ ۱۱۵ھ کا ہے۔

۶۷۔ اکثر مورخین نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جسر ذیل، قرطبہ کا بانی سمح بن مالک الخولانی تھا، عنبسہ نے اس کے قتل کے بعد اُسے مکمل کیا ہوگا۔

۶۸۔ بلاشبہ غافقی کو معرفت شرع پورے طور پر حاصل تھی اور اس جیسا شخص اس سے لاعلم نہیں ہو سکتا تھا کہ کھیتوں کی پامالی، مکانات کا ڈھانا، درختوں کا کاٹنا، دشمن کے شہر میں بھی اسلام نے بحالت جنگ جائز نہیں رکھا ہے، آئمہ نے صراحت کے ساتھ یہ بات واضح کی ہے کہ اگر دشمن خود اس طرح کی حرکتیں کرے اور مسلمانوں کے لیے کوئی حیلہ باقی نہ رہ جائے تو بھی اس طرح کے حرکات اتنے ہی کیے جائیں جتنے دشمن نے کیے ہوں، زیادہ نہیں۔

۶۹۔ ZONAMA یہ واقعہ کانڈی نے بیان کیا ہے اور اس سے رینو نے نقل کیا ہے، یہ عجیب و غریب واقعہ کسی مستند تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گذرا، ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ واقعہ کچھ اصلیت رکھتا ہے تو یہودی قوم ہی میں کوئی ایسا شخص پیدا ہوا ہو گا نہ کہ مسلمان سوسائٹی میں۔

۷۰۔ نفح الطیب میں ہے کہ یحییٰ بن سلمہ کلبی کو افریقہ کے والی بشر بن صفوان کلبی نے

مامور کیا تھا جبکہ اہل اندلس نے عنبسہ کے قتل کے بعد ۱۰۷ھ میں دوسرا والی مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ یحییٰ اپنے منصب پر اڑھائی سال تک قائم رہا۔

۷۱ھ اہل فرنگ نے ابن ابی نسعح کو مونوزہ MUNUZA بنا لیا ہے۔ رینو کہتا ہے کہ اہل فرنگ و عرب ایک دوسرے کے اسماء کی ایسی تحریف کر دیتے ہیں کہ اصل نام کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔

۷۲ھ نفح الطیب میں آیا ہے کہ عثمان بن ابی نسعح کو جلیدہ بن عبدالرحمٰن السلمی والی افریقیہ نے مقرر کیا تھا۔

۷۳ھ نفح الطیب میں درج ہے کہ اسے بھی علیدہ بن عبدالرحمٰن سلمی نے مامور کیا تھا۔ یہ ۱۱۱ھ میں اندلس پہنچا اور ارض مقوشہ میں جہاد کیا اور اسے فتح کر لیا۔

۷۴ھ NUMERANCE ۷۵ھ MININE ۷۶ھ LAMPEGIE

۷۷ھ EGILONE

۷۸ھ مورخ کانڈی کا خیال ہے کہ یہ شہر پوی سردار PUY-CERDA تھا، یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو اسپین کے ماتحت تھا۔

۷۹ھ تاریخ کانڈی کے حاشیہ پر موسیو دوماربیس نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ان کا کوئی خلیفہ کسی فرانسیسی شہزادی سے شادی کرے گا۔

دور یہ اعتقاد کچھ غلط نہ تھا، اس لیے کہ شاہ اکتیانیہ کی لڑکی حرم خلافت میں پہنچ گئی تھی اور اس کا شمار ملوک فرانس میں ہوتا تھا جو شاید فرانس تھا۔

۸۰؎ NAVARR یہ مملکت اسپین کے شمال میں تھی جسے عرب کبھی نافارا اور کبھی نبرا کہتے ہیں۔

۸۱؎ BORDEAUX مغربی فرانس کا بہت بڑا شہر جو پیرس کے مغرب میں ۴۷۸ کیلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔

۸۲؎ DORDOGENE

۸۳؎ TOURS فرانس کا مشہور شہر جو نہر لمار پر واقع ہے۔

۸۴؎ POITIERS - یہ بھی ایک بڑا شہر ہے جو پیرس کے جنوب مغرب میں ۳۳۲ کیلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔

۸۵؎ تاریخ کانڈی کے حاشیہ پر موسیو دو بارلیں نے لکھا ہے کہ فرنگی مورخین اس واقعہ کا دن معین کرنے میں اور محل واردات بیان کرنے میں متفق نہیں ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ۷ راکتوبر ۷۳۲ء میں پیش آیا، کانڈی نے ۷۳۳ء لکھا ہے لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل اعتماد روایت عرب مورخین ہی کی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ وہ منحوس حادثہ تھا جس نے ملت عربیہ کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے اور اسی جنگ میں وہ شخص جو تاریخ میں

یکے از اعاظم قوادِ حرب شمار ہوتا تھا، ہلاک ہوا، عربوں کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ۱۱۵ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

۸۶۔ نفح الطیب میں عقبہ بن حجاج سلولی کی بہت تعریف آئی ہے۔ یہ پانچ سال تک بڑی خوبی کے ساتھ جہاد کرتا ہوا مظفر و منصور رہتا ہوا اپنے منصب پر قائم رہا، یہاں تک کہ مسلمانوں کو اس نے اربونہ میں پہنچا دیا اور اُن کے گھوڑے نہر ردونہ پر بندھنے لگے۔

تاریخ و تحقیق

اسلام کا عہد فتوحات

ساتویں صدی عیسوی کے آغاز پر قریب اور وسط مشرق دو عظیم و حریف سلطنتوں
بازنطین اور ایران میں تقسیم تھا۔ اس سے پیشتر تین صدی کی تاریخ بیشتر انہی کے
باہمی نزاعات و جنگ وجدال کے واقعات پر مشتمل تھی، بازنطینی سلطنت جس کا
عظیم الشان دار الحکومت قسطنطنیہ تھا، تمدن اور مذہب کے اعتبار سے یونانی و
مسیحی تھی اور انتظامی لحاظ سے بڑی حد تک رومن۔ اس کی طاقت خاص طور پر اناطولیہ
کے پلیٹو پر مبنی تھی جو اس زمانہ میں کلیۃً ہیلنی تھا، اس کے جنوب میں شام اور مصر کے
صوبے واقع تھے، جہاں بازنطینی حاکمیت کو طرح طرح کے خطرات لاحق تھے۔ ایک
کی آبادی آرامی (   ) تھی اور دوسرے کی قبطی (   )
جو نسلی اور ایک حد تک تمدنی اعتبار سے یونانیوں سے مختلف تھی۔ بازنطینی اقتدار
اور اس کے عائد کردہ ٹیکسوں کی گراں باری سے اس کی نفرت کا اظہار ان مخالفانہ
کلیساؤں سے ہوتا تھا جو سلطنت کے قدیم مذہب کے
سخت خلاف تھے۔ فلسطین میں یہودی جو اگرچہ اکثریت میں تو نہیں تھے مگر آبادی کا
ایک اہم عنصر تھے، بازنطینی جور و تعدی سے برگشتہ مسیحیوں سے بھی زیادہ نالاں
تھے۔ انھیں اپنے آقاؤں سے کوئی محبت نہ تھی۔ بعض اعتبار سے ایران کی ساسانی
سلطنت بازنطینی سلطنت ایک عمومی مشابہت رکھتی تھی، یہاں بھی سلطنت
کا قلب ایران کا پلیٹو تھا جس کی آبادی ایک   زبان بولتی

اور اس کے ماتحت عراق کا صوبہ تھا جو نسلاً سامی اور مذہباً بے تعلق تھا۔
ساسانی ایران کا تمدن ایشیائی تھا اور یہ حقیقت میں اس مخالف ہیلینی ردّ عمل کا مظہر تھا جو پارتھیوں کے سقوط کا سبب بنا تھا، سرکاری مذہب زرتشتیت تھا، ساسانی سلطنت کا اندرونی تار و پود بازنطینی سلطنت سے بھی زیادہ کمزور تھا۔ جہاں اناطولیہ میں فوجی اغراض و مقاصد نے سلطنت کو ٹھوس اقتصادی و عسکری بنیادیں مہیا کی تھیں۔ وہاں ایرانی سلطنت چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں ایک انقلاب سے عہدہ برآ ہوئی جس میں قدیم جاگیردارانہ نظام ٹوٹ چکا تھا اور اس کی جگہ فوجی استبداد اور بھاڑے کی فوج نے لی تھی۔ مگر یہ نیا نظام بھی محفوظ نہ تھا اور آبادی کی بے چینیوں نے متعدد مذہبی بدعتیں پیدا کر دی تھیں۔ جن کی وجہ سے سلطنت کا مذہبی اور نتیجۃً سیاسی اتحاد خطرہ میں تھا۔
۶۰۲ء اور ۶۲۸ء کے درمیان آخری ایرانی و بازنطینی لڑائیاں لڑی گئیں جو بازنطینی فتح پر منتج ہوئیں۔ مگر دونوں فریق اس درجہ پست حال اور کمزور ہو چکے تھے کہ ریگستان عرب سے خطرہ کا جو غیر متوقع سیلاب امڈنے والا تھا اس کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔
مسئلہ جانشینی و خلافت :- محمدؐ کی وفات کے بعد نوخیز مسلم سوسائٹی کو ایک قسم کے آئینی بحران کا سامنا ہوا۔ پیغمبرؐ نے اپنی جانشینی کے لیے کوئی ہدایت نہیں چھوڑی، نہ انھوں نے قبائلی مجلس کی طرح کوئی کونسل قائم کی جو اس نازک زمانہ میں اپنے اختیارات سے کام لیتی، رضائے الٰہی کے واحد شارح کی حیثیت سے ان کی حاکمیت کی مخصوص و بے مثل نوعیت نے انھیں اپنا رفیق و جانشین نامزد کرنے کی اجازت نہ دی ہوگی۔ بعد کی شیعہ روایت کہ پیغمبرؐ نے اپنے چچازاد بھائی علیؓ کو جنھوں نے آپ کی صاحبزادی فاطمہؓ سے شادی کی تھی یقیناً

غلط ہے۔

اس وقت جائز جانشینی کا تصور ہی عربوں کیلئے غیر مانوس تھا اور یہ ممکن تھا اگر محمدؐ کے لڑکا بھی ہوتا تو واقعات کچھ مختلف نہ ہوتے، موسیٰ کا معاملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ عربوں کی یہ روایت کہ شیخ ایک ہی خاندان سے چنا جائے موثر معلوم نہیں ہوتی، بہرحال کثرت ازدواج والی سوسائٹی میں ابوبکرؓ جیسے خسر اور علیؓ جیسے داماد کے دعاوی قوی نہیں ہوسکتے۔ عربوں کے سامنے صرف ایک مثال تھی جس سے وہ ہدایت حاصل کرسکتے تھے اور وہ تھی نئے قبائلی سردار کا انتخاب، چنانچہ اہل مدینہ نے قبیلہ خزاج میں سے اپنا سردار چننے کی کوشش کرکے یہ دکھا دیا کہ ان کا اسلام ابھی نامکمل ہے۔

اس بحران کا مقابلہ تین آدمیوں کے عزم محکم نے کیا۔ ایک ابوبکرؓ دوسرے عمرؓ اور تیسرے ابو عبیدہؓ۔ انھوں نے ایک قسم کے فوجی انقلاب کے ذریعہ ابوبکرؓ کو پیغمبر کے مطلق جانشین کی حیثیت سے مقرر کردیا۔ دوسرے دن بکیوں (مہاجرین) اور انصار کے سامنے ایک طے شدہ چیز سامنے تھی جسے انھوں نے چارو ناچار قبول کرلیا۔ ابوبکرؓ کو خلیفہ یا نائب رسول کا خطاب دیا گیا، ان کے انتخاب سے خلافت کے عظیم ادارہ کا افتتاح ہوتا ہے، انکے چننے والوں کو اس منصب کے فرائض اور نشوونما کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا تھا اس وقت انھوں نے ان فرائض کے حدود متعین کرنے یا اختیارات کی حدبندی کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی، انکے تقرر کی واحد شرط یہ تھی کہ وہ پیغمبر کی کو بجنسہٖ تمام و محفوظ رکھیں گے۔

پہلی خلافت اور اس کے حدود کار۔ ابوبکرؓ کی حاکمیت ابتدا ہی سے مختلف اہم اعتبارات سے قبائلی شیخ کی حاکمیت سے مختلف تھی۔ وہ نہ صرف مخصوص اور معلوم فرقہ کے بلکہ ایک منطقہ کے سردار تھے، ان کے ہاتھ میں انتظامی اختیارات اور فوج تھی اور چونکہ ان کے جانشین بننے کے بعد حالات سیاسی و فوجی اقدامات کے متقاضی تھے اس لیے انھوں نے سیاسی و فوجی حاکمیت بھی اختیار کی جو امتداد وقت

کے ساتھ منصب خلافت کا ایک لازمی جزو بن گئی، دو سال بعد جب ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو عمرؓ بذریعہ نامزدگی ابوبکرؓ کے جانشین بنے۔

ابوبکرؓ کے عہد کا پہلا کام فوجی اقدام کے ذریعہ قبائل کی اس تحریک کا رد کرنا تھا جسے ردّا (ارتداد) کہتے ہیں۔ یہ لفظ جس کے معنی مذہب سے برگشتگی یا الحاد کے ہیں اصل واقعات کی اہمیت کی غلط نمائی کرتا ہے اور یہ بعد کے مذہبی رنگ میں رنگے ہوئے مورخوں نے اختیار کیا ہے۔ فی الواقع قبائل نے ابوبکرؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے اس وجہ سے انکار نہیں کیا تھا کہ وہ مسلمان ہونے کے بعد دور جاہلیت کو واپس جانا چاہتے تھے بلکہ بات صرف اتنی تھی کہ پیغمبرؐ کے اور ان کے مابین جو سیاسی معاہدہ تھا وہ ان کی وفات سے قدرتی طور پر ختم ہو گیا تھا، جو قبائل مدینہ سے بہت زیادہ قریب تھے وہ مسلمان بنا لیے گئے اور ان کے مفادات اُمّاد امت) سے اتنے گہرے طور پر مشترک تھے کہ ان کی علیحدہ تاریخ نہیں لکھی گئی۔ باقی کے معاملہ میں محمدؐ کی وفات نے ان کے مدینہ سے روابط خود بخود منقطع کر دیے اور فی الفور آزاد ہو گئے۔ جب ابوبکرؓ کا انتخاب ہوا تو انھوں نے خراج دینا اور روابط معاہدہ فی الفور ختم کر دیے۔ ابوبکرؓ کو مدینہ کا اقتدار قائم کرنے کے لیے معاہدے کرنے پڑے۔ جہاں قریب کے قبائل نے ان معاہدوں کو قبول کیا وہاں دور افتادہ نے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا اور ابوبکرؓ کو مجبوراً ان قبائل کے تبدیلی مذہب کے پیش خیمہ کے طور پر فوجی تسخیر کی کارروائی عمل میں لانی پڑی۔

جنگیں اور ان کی نوعیت۔ ارتداد کی لڑائیاں جو تبدیلی مذہب کی جنگوں کے طور پر شروع ہوئیں جنگ اسے فتوحات بن کر بالآخر حدود عرب سے بھی بہت آگے نکل گئیں۔ ایک طرف وہ فتوحات خود عرب میں دوسری طرف عراق شام اور مصر کے ہمسایہ صوبوں میں ایک ساتھ اور ایک دوسرے سے وابستہ ہوئیں نہ کہ

یکے بعد دیگرے عرب قبائل غالباً کبھی بھی مفتوح و مغلوب نہ ہوتے اگر شمال کی فتوحات نے جذبہ نما کے اندرونی اقتصادی مسائل کا دلکش حل پیش نہ کر دیا ہوتا۔ شمال کی ابتدائی مہمات محض منفعت کے لیے تھیں ان کی غایت اصول غنیمت تھی نہ کہ فتوحات حاصل کرنا۔ بعد کی مہمات اس وقت شروع ہوئیں جب دشمن کی کمزوری ظاہر ہو گئی شروع میں مدینہ کا کنٹرول کمزور اور حکمت عملی کی عمومی ہدایت کاری تک محدود تھا۔ اور چونکہ مواصلات اس وقت نہایت دشوار تھے اس لیے تمام تفصیلات اور اقدام عمل کا معاملہ فوجی کمانڈروں اور گورنروں کے ہاتھ میں رہتا تھا۔

عرب فتوحات کی ایک کلیدی شخصیت خالدؓ بن ولید کی ہے جو ابو بکرؓ کے چیف جنرل تھے۔ پیغمبرؐ کی وفات کے وقت جو حالات تھے انھیں بحال کرنے کے احکام کی تعمیل کرنے کے بعد انھوں نے فوجی تسخیر کے پروگرام کو اختیار کر کے اس بات کا فیصلہ خود کیا کہ انھیں آگے کیا کرنا چاہیے۔ عرب فتوحات کا حقیقی آغاز جنگ دمشق نجد میں ۱۲ ؁ھ ۶۳۳ ؁ء سے ہوتا ہے۔ اس فتح نے عربوں پر مدینہ کی حکومت کی قابلیت ثابت کر دی اور انھیں اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ اس کی اطاعت قبول کر لیں۔ اس کے بعد مرکز مدینہ سے دائرہ کے مختلف سمتوں میں فتوحات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

مدینہ اور شام کے درمیان بہت سے نیم مسیحی عرب قبائل رہتے تھے اور یہ ریگستان کی طرف سے پیش قدمی کے راستے میں ایک قطعی مزاحمت تھے۔ تاریخی حوالوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں لیکن قیاس کہتا ہے کہ انھوں نے ان فتوحات میں اہم حصہ لیا ہوگا اور ہرقل نے وہ امدادی رقم بند کر کے جو بازنطینی حکومت انھیں دیتی تھی انھیں حملہ آوروں کا حامی و مددگار بنا یا ہوگا۔ ۶۳۳ ؁ء میں ابو بکرؓ نے شام کی مہم کے لیے رضا کار بھرتی کرنے کی اپیل کی اور کئی مستقل فوجیں فلسطین

اور شام کو روانہ کیں۔ دوسرے سال عربوں نے بازنطین کی ایک چھوٹی سی فوج کو شکست دی اور فلسطین پر کئی چھوٹے چھوٹے حملے کیے مگر اس کے بعد پیچھے ہٹ کر مدینہ سے کمک آنے کا انتظار کرنے لگے اور ہرقل ان کے مقابلہ کے لیے ایک بڑی فوج تیار کرتا رہا۔ اس موقع پر خالدؓ بن ولید دفعتاً عراق سے بلمیرا کے راستے سے قرات تک پہنچے اور اپریل ۶۳۴ء میں دمشق کے سامنے نمودار ہوئے۔ شہر کو لوٹنے کے بعد واپس آگئے، اور جنوب کی دوسری فوج کے ساتھ مل گئے۔ اسی اثنا میں بازنطینی یروشلم کے قریب پہنچ گئے لیکن اجنادین کی لڑائی میں عربوں کی متحدہ فوج سے شکست کھائی۔ بازنطینیوں کی مزید پسپائیوں اور کمزوریوں اور شش ماہہ ناکہ بندی کے بعد عربوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا، قبضہ کرنے کے بعد وہ فلسطین میں منتشر ہو گئے اور خالد شمال کی طرف روانہ ہوئے، اسی دوران میں ہرقل نے ایک زبردست فوج تیار کی جو خاص طور پر آرمینیوں پر مشتمل تھی اور جس کی امداد کے لیے ایک عرب رسالہ تھا جو باجگذار عرب قبائل سے بھرتی کیا گیا تھا۔ چونکہ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے عرب دمشق سے واپس آکر دریائے یرموک پر جمع ہو گئے اور یہاں انھوں نے بازنطینیوں کو ایسی شکست فاش دی کہ سارا شام و فلسطین ان کا تابع فرمان بن گیا۔ صرف دو قلعہ بند مورچے قیصریہ اور یروشلم باقی رہ گئے شام کو فتح کرنے کے بعد خالدؓ کو واپس بلا لیا گیا اور ان کی جگہ ابو عبیدہؓ کو مقرر کیا گیا جو جنرل کے بجائے ایک حاکم و منتظم تھے۔ ۶۳۶ء میں عمرؓ شام تشریف لے گئے اور وہاں انھوں نے حکومت کا ایک وسیع نقشہ مرتب کیا۔

عراق پر حملہ اور اس کے نتائج :۔ عراق پر حملہ کرنے کی تجویز ابتداً سرحد پر رہنے والے قبائلی سرداروں کی طرف سے پیش کی گئی تھی وہ جنوب میں عربوں سے اور شمال میں ایرانیوں سے گھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی نجات اسی

میں دیکھی کہ اسلام قبول کر کے ایرانی علاقہ پر مشترکہ حملہ کریں۔ ۶۳۳ء میں خالدؓ نے حیرہ پر مقامی طور پر بھرتی کی ہوئی ایک چھوٹی سی فوج سے حملہ کیا۔ حملہ کی غیر متوقع کامیابی کی وجہ سے مزید کوششیں کی گئیں جو بالآخر جنگ "پل" میں عربوں کی زبردست شکست پر ختم ہوئیں۔ اس لڑائی میں خود ایرانی شہنشاہ یزدگرد ایرانی فوجوں کا کمانڈر تھا۔ مگر عربوں نے جلد ہی اپنی قوت مجتمع کر کے نئے حملہ کی تیاری کی اور قادسیہ کی جنگ میں مٹھی بھر عربوں نے ۲۰۰۰ ، ۶۳۷ ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ یہ جنگ فیصلہ کن تھی۔ اس کے بعد عربوں نے ایرانیوں کا تعاقب کیا اور ان کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ کر لیا اور سارے عراق کو مسخر کر کے تیزی کے ساتھ ایرانی فوج کو جلولہ کے مقام پر دوسری شکست دی۔ اس کے بعد عرب فوج عراق اور شام میں سے ہو کر میسوپوٹامیا میں مقابلہ کے لیے روانہ ہوئی اور " فرٹائل کریسنٹ " کی فتح مکمل کر لی۔

عرب تاریخ کے مطابق مصر پر حملہ خلیفہ کی مرضی کے خلاف ہوا عمرو بن العاصؓ کو شام کے ایک مقام پر عمرؓ کا پیغام پہنچا کہ واپس آجاؤ مگر وہ واپس نہیں آئے بلکہ برابر آگے بڑھتے رہے، مصر کے حالات بھی شام و عراق کی طرح سازگار تھے قبطی یونانیوں کی حکومت سے سخت نالاں اور حملہ آوروں کی مدد کے لیے تیار تھے۔ ۱۲ دسمبر ۶۳۹ء کو عمرو ابن العاص مصر کے سرحدی شہر العرش پہنچے۔ ان کے ساتھ تین ہزار سپاہ کا مینی رسالہ تھا۔ اس پر انھوں نے آسانی سے قبضہ کر لیا اس کے بعد مزید فتوحات کی تشویق ہوئی۔ پلوشیم کو جسے اب فرامہ کہتے ہیں فتح کرنے کے بعد وہ موجودہ قاہرہ کے قریب بابلیون کے بازنطینی قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی اثنار میں مدینہ سے پانچ ہزار کی کمک آگئی جس کی وجہ سے جولائی ۶۴۰ء میں بازنطینیوں کو آسانی سے شکست دیدی گئی اور دوسرے سال شہر

نے اپنے آپ کو عربوں کے حوالہ کر دیا اور مصر میں بازنطینیوں کے پاس صرف اسکندریہ
باقی رہ گیا۔ اسکندریہ کا محاصرہ ایک سال تک جاری رہا اس کے بعد عمرو اور
قبطی مقوقس کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رو سے شہر عربوں کے حوالہ کر دیا گیا
اور بازنطینی فوج واپس چلی گئی۔ ۶۴۵ء میں یونانیوں نے سمندر کے راستہ
سے حملہ کر کے شہر کو فتح کرنے کی کوشش کی اور عارضی طور پہ کامیابی بھی حاصل
کی لیکن دوسرے سال شکست کھا کر واپس چلے گئے۔

ایک کہانی عام طور پہ یہ مشہور ہے کہ اسکندریہ پر قبضہ ہونے کے بعد
خلیفہ عمرؓ نے حکم دیا کہ شہر کی عظیم الشان لائبریری کو آگ لگا دی جائے اور وجہ
یہ بیان کی کہ اگر اس کی کتابوں میں وہی ہیں جو کتابوں میں موجود ہیں تو ان کی
کوئی ضرورت نہیں اور اگر وہ نہیں ہیں تو وہ ناپاک ہیں جب بھی ان کی ضرورت
نہیں۔ مگر تحقیقات جدید نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ قصہ قطعی طور پہ بے بنیاد
ہے ابتدائی زمانہ کی کسی تاریخی کتاب میں حتیٰ کہ کسی عیسائی کتاب میں بھی اس
کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ کہانی سب سے پہلے تیرھویں صدی میں بیان کی گئی ہے۔
بہر حال حقیقت یہ ہے کہ مرافیم کی عظیم الشان لائبریری عربوں کی آمد سے بہت پہلے
اندرونی لڑائی جھگڑوں میں برباد ہو چکی تھی۔

۔ فرٹائل کریسنٹ کے شمال اور شمال مشرق کے غیر سامی پہاڑی
علاقوں میں عربوں کی پیش قدمی سست تر اور دشوار تر تھی۔ ایرانی ہائیٹ پر لمبا
سال تک مقاومت و مزاحمت کا سلسلہ جاری رہا اور خراسان معاویہ کے زمانہ
تک کلیتہً فتح نہیں ہو سکا۔ اناطولیہ میں مشکلات اور بھی ناقابل عبور ثابت
ہوئیں اور آج تک طورس (TOURUS) کی پہاڑیاں عربی زبان کی
آخری شمالی جغرافیائی حدود ہیں۔

عربوں نے اپنی عظیم فوجی مہمات میں جو جنگی حکمت عملی اختیار کی اس کے تعین میں تمام تر ریگستانی طاقت کو دخل تھا بالکل اسی طرح جیسے آج کل کی استعماری طاقتیں بحری طاقت سے کام لیتی ہیں۔ عرب ریگستان سے واقف و مانوس تھے اور وہ اس میں ہر جگہ پہنچ سکتے تھے مگر ان کے دشمن نہیں پہنچ سکتے تھے، وہ ایسے ذریعہ مواصلات و فراہمی رسد و کمک کے لیے اور ہنگامی موقعوں پر پسپائی کے لیے استعمال کر سکتے تھے اور یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ عربوں نے اپنے ہر مفتوحہ صوبہ میں اپنے مستقر ان قصبوں میں قائم کیے جو ریگستان کے کنارے واقع تھے اور دمشق جیسے موجودہ شہروں کو اس وقت استعمال کیا جب ان کی حالت اچھی ہو گئی، پھر انھوں نے حسب ضرورت عراق میں کوفہ اور بصرہ جیسے شہر قائم کیے اور مصر میں فسطاط، ٹیونس میں قیروان آباد کیے۔ یہ فوجی مستقر ابتدائی عرب سلطنت کے جبرالٹر اور سنگاپور تھے۔ عربوں نے ان میں اپنی چھاؤنیاں اور فوجی بستیاں بسائیں۔ بنی اُمیہ کے عہد تک یہ شہر عرب حکومت کے خاص مرکز بنے رہے۔ ان شہروں یا امصار نے مفتوحہ ممالک میں عرب اثرات کے استحکام میں بنیادی حصہ لیا ہے۔ مجموعی طور پر تمام صوبوں میں عرب اقلیت میں تھے مگر ان امصار میں ان کی کثرت تھی۔ اور عربی ان کی خاص زبان۔ یہ آس پاس کے اضلاع کی زرعی پیداوار کے بازاروں کا کام دیتے تھے۔ اور ان کے ذریعہ عربی زبان گردو پیش کے مضافاتی علاقوں میں پھیلتی تھی۔ پھر جلد ہی ہر عرب فوجی شہر کے باہر دستکاروں، دوکانداروں اور کاریگروں کے شہر آباد ہو گئے۔ یہ لوگ ماتحت آبادیوں سے ہوتے تھے اور حکمران طبقہ کی ضروریات زندگی پوری کرتے تھے مضافات سے آبادی کے اس انتقال کو غیر مسلم کاشتکاروں پر امتیازی ٹیکس اور زرعی پیداوار کی قیمتوں میں کمی سے بھی تحریک ہوئی۔ جس کی وجہ عرب فاتحین

میں وسیع پیمانہ پر سرکاری آمدنی بصورت جنس تقسیم کی جاتی تھی۔ یہ عظیم فتوحات بنیادی طور پر اسلام کی توسیع نہ تھی، بلکہ عرب قوم کی توسیع تھی اور اس کی وجہ جزیرہ نما کی کثرت آبادی کا دباؤ تھا جو ہمسایہ ممالک میں نکلنے کا راستہ چاہتی تھی، یہ اسی سلسلۂ ہجرت کی ایک کڑی تھی جس میں سامی نسل کے لوگ وقتاً فوقتاً فرٹائل کریسنٹ اور اس کے آگے تک چلے گئے۔ عربوں کی یہ توسیع اس طرح دفعتہً نہیں ہوئی جیسی کہ شروع میں بظاہر معلوم ہوتی ہے۔ جس جس زمانہ میں عربوں کو ان کے جزیرہ نما میں محدود رکھنے والی روک مضبوط رہی اور وہ اسے توڑ کر نہیں نکل سکے تو کثرت آبادی کے دباؤ میں جزوی کمی عرب عناصر کے سرحدی علاقوں میں متواتر نفوذ سے ہوتی رہی۔ چنانچہ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں عربوں کے اہم نفوذ کی کافی شہادتیں ملتی ہیں خصوصاً فرات کے بیس فلسطین اور جنوبی مشرقی شام میں، غزہ اور بصرہ کے "بازنطینی شہروں ہی میں عربوں کی آبادی فتوحات سے پہلے بہت کافی تھی اور اس بات میں بہت کم شبہ کی گنجائش ہے کہ فاتح عرب جب قریب ترین مفتوحہ ممالک میں گئے تو وہاں انھیں اپنے بہت سے اعزا واقربا پہلے سے آباد ملے۔

عرب فتوحات کی نوعیت وکیفیت:۔ ابتدائی دور کے مصنفوں (تاریخ نگاروں) نے فتوحات میں مذہب کا رنگ غالب دکھایا ہے اور کچھ جدید لکھنے والوں نے اس معاملہ میں تفریط سے کام لیا ہے مگر اس کی اہمیت صرف یہ ہے کہ اس سے ان لوگوں میں جو اشتعال پذیر اور جذباتی تھے اور کسی قسم کے ضابطہ کی پابندی سے ناآشنا تھے ایک عارضی نفسیاتی تبدیلی پیدا ہوئی تھی، اور چونکہ تحکم سے کام نہیں نکل سکتا تھا۔ اس لیے ترغیب ذریعۂ کاربراری بن گیا۔ اس چیز نے انھیں کچھ وقت کے لیے زیادہ خود اعتماد اور ضبط کا خوگر بنا دیا۔ مذہبی رنگ جنگہائے فتوحات میں عرب اتحاد و عرب فتح کی علامت تھی، مگر یہ بات کہ فتوحات کی قوت محرکہ مذہبی

کے بجائے دنیوی تھی خود عمرو بن العاص جیسے سربرآوردہ لوگوں کے کردار سے ظاہر ہے جن کی مذہب سے دلچسپی سطحی اور افادیاتی تھی۔ چند مستثنیات کے علاوہ عرب سلطنت کی تخلیق میں سچے مسلمانوں اور اہل تہدو اتقا کا بہت ہی کم حصہ ہے۔

بعد کی صدیوں کے عرب مورخوں نے ہمارے سامنے نئی سلطنت کے نظم و نسق کے متعلق جو عمرؓ نے قائم کیا تھا بڑی تفصیلات پیش کی ہیں، لیکن اصلاً ان کی داستان سرائی کی حقیقت تنقید جدید اور بالخصوص ان عصری انتظامی دستاویزات نے جو مصر میں اسلام کی پہلی صدی کے مخطوطات پیپرس کی صورت میں ہم تک پہنچے ہیں منکشف ہو گئی ہے اور یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یہ بعد کے زمانہ میں پیش آنے والے حالات کی ارتجاعی نمود تھی۔ پہلے خلفا نے اس معاملہ میں عملی تقاضوں کے مطابق کام کیا۔ انھوں نے خود شرائط و وظائف کی تعریف کرنے یا اصول وضع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ لہٰذا ان کی کارروائیوں کا مطالعہ سادہ واقعات سے کرنا چاہیے۔ ان کی پالیسی مفتوحہ صوبوں کی رعایا کے سود و بہبود سے متعین نہیں ہوتی تھی بلکہ فتوحات نے جو ایک عرب مسلم فرقہ اشرافیہ پیدا کر دیا تھا اس کے مفاد کے مطابق ہوتی تھی اور بڑی حد تک کمانڈروں اور حکمرانوں کے طرز عمل سے بنتی تھی۔ ابتدا میں عربوں نے ایرانی اور بازنطینی انتظامی مشینری کو مع اس کے عمال کے قائم رکھا۔ یہاں تک کہ سکے بھی انھی کے جاری رہے لیکن ۶۴۰ء کے بعد ہی عمرؓ نے نئے ضابطوں اور کارروائیوں کی ضرورت محسوس کر کے ایک نیا نظام قائم کیا جس کے ذریعہ ساری سلطنت مسلمانوں کی امانت بن گئی اور خلیفہ اس کا واحد امین ہو گیا۔ مختلف مفتوحہ صوبوں کے قانون و رواج مختلف تھے۔ جس وقت عربوں نے بڑے نظاموں کو اپنے ہاتھ میں لیا اس وقت سلطنت کا کوئی ایک اور اہم رنگ نہ تھا۔ شام اور مصر میں اطاعت مشروط تھی اور عربوں نے مقامی رواجات کا

احترام کرنے پر مجبور تھے۔ عراق میں جن لوگوں نے اپنی مرضی سے اطاعت قبول کی تھی انھیں زیادہ آزادئ عمل حاصل تھی۔

عربوں نے صرف سرکاری زمینوں پر اور ان لوگوں کی زمینوں پر قبضہ کیا جو نئی حکومت کے دشمن تھے۔ دوسرے زمیندار جنھوں نے اسے تسلیم کیا انھیں بعض ٹیکسوں کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ اپنی زمینوں پر پورے پورے اختیارات دیدیے گئے۔ ضبط شدہ زمینوں کی باقاعدہ رجسٹری کی گئی اور ان کا انتظام حکومت براہ راست خود کرتی تھی۔ مسلمانوں کو بیرون عرب زمینیں خریدنے کی اجازت تھی ان میں سے بہت سوں کو سرکاری زمینیں قطیعہ (QATIAA) ایک قسم کے پٹے پر دی گئیں یہ مراعات مزروعہ زمینوں یا بنجر زمینوں پر دی جاتی تھیں۔ اگر زمین بنجر ہوتی تھی تو حکومت ٹیکسوں میں تخفیف کر کے اور زر تقاوی وغیرہ دے کر مدد کرتی تھی۔ عمرؓ نے اپنے عہد میں اس قسم کی مراعات چند لوگوں کو دی تھیں مگر ان کے جانشینوں نے بہت سے لوگوں کو دیں۔ عرب سے باہر مسلمان زمیندار اراضی کا پورا مشخص ٹیکس نہیں ادا کرتے تھے بلکہ کچھ جھگڑے کے بعد بہت کم دیتے تھے جسے عشر یا دسواں حصہ کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں پر ایک قلیل مذہبی ٹیکس (زکوٰۃ) کے علاوہ باقی تمام ٹیکس غیر مسلم اہل رعیت ادا کرتے تھے۔ ان میں جزیہ اور خراج شامل ہے۔ بعد کو ان دونوں میں امتیاز ہوگیا اور ایک کو پول ٹیکس سمجھا جانے لگا جو غیر مسلموں پر عاید ہوتا تھا اور دوسرا اراضی ٹیکس۔ خلافت کے ابتدائی زمانہ میں یہ دونوں اصطلاحیں مرادف المعنی سمجھی جاتی تھیں اور ان سے وہ اجتماعی ٹیکس مراد لیا جاتا تھا جسے عرب مجموعی طور پر علاقہ پر عائد کرتے تھے۔ بازنطینی اور دوسرے حکام کو اختیار تھا کہ وہ اس کی تشخیص و تحصیل پرانے طریقہ پر کریں۔

فاتحیں مفتوحین کے اندرونی سول اور مذہبی نظم و نسق میں کوئی دخل نہ

دیتے تھے۔ مفتوحین ذمی کہے جاتے تھے یعنی ان مذاہب کے لوگ جنھیں قرآن گوارا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

عیسائی مسلمان حکومت کو ترجیح دیتے تھے۔ رعایا نے بازنطینی اقتدار کی جگہ عرب اقتدار کو عام طور پر جوش آمدید کہا کیونکہ اس کے جوئے کا بار پرانے جوئے سے کہیں زیادہ ہلکا تھا، ٹیکسوں کے لحاظ سے بھی اور دوسرے معاملات میں بھی حتیٰ کہ شام و مصر کی مسیحی آبادیاں بھی قدیم بازنطینی کی جگہ اسلام کے اقتدار کو ترجیح دیتی تھیں۔

اسلام کے ابتدائی عہد کی ایک یہودی مذہبی تحریر میں فرشتہ کی زبان سے ایک ربانی روشن ضمیر کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے "۔ بن یحییٰ خوف مت کرو خالق پاک نے اسماعیل کی حکومت اس لیے قائم کی ہے کہ وہ تم کو اس شرارت (بازنطینیت) سے بچالے۔ وہ مقدس و مبارک دن کے لیے اپنی مرضی کے مطابق ایک پیغمبر کو مبعوث کریگا اور ان کے لیے ملک فتح کرے گا اور وہ آئیں گے اور اسے بحال کریں گے ۔ ۔ ۔

ہم اس کا مقابلہ مابعد کے ایک شامی مسیحی مؤرخ کے ان الفاظ سے کر سکتے ہیں:-

"لہذا منتقم حقیقی نے ہمیں رومنوں کے چنگل سے عربوں کے ذریعہ نجات دلائی، رومنوں کی سفاکی اور ان کی نفرت سے نجات حاصل کرنے کے بعد ہمیں کچھ تھوڑا فائدہ نہیں ہوا۔" مفتوحہ صوبوں کے لوگوں نے صرف نئی حکومت کے سامنے سر اطاعت خم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض صورتوں میں اس کے قیام و استحکام میں بھی سرگرم حصہ لیا فلسطین میں سامریوں نے عرب حملہ آوروں کو ایسی موثر امداد دی کہ کچھ عرصہ کے لیے انھیں بعض ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ابتدائی زمانہ کی تاریخوں سے مقامی یہودیوں اور مسیحیوں کی طرف سے عملی امداد کی اور بھی بہت سی شہادتیں ملتی ہیں۔ خود عربوں کا اسلام اور عربیت کو ایک اور مرادف چیز سمجھنا ان کے اس طرز عمل سے بخوبی ظاہر ہے جو وہ ان نو مسلموں کے ساتھ روا رکھتے تھے جو مفتوحین

کے باوجود جو ابوبکرؓ اور عمرؓ نے انھیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کر کے کی تھیں مثلاً شام کی گورنری
کے لیے عمرؓ کا انتخاب معاویہ جس سے وہ غیر مطمئن تھے اور اپنی فضیلت کو جسے وہ اپنا
حق سمجھتے تھے۔ بحال کرنا چاہتے تھے، معاویہ کی طرح عثمانؓ بھی مکہ کے خاندان امیہ کے
رکن تھے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے اولین اصحاب میں مکہ کے امراء کے واحد نمائندے
تھے جنھیں اتنا وقار حاصل تھا کہ خلافت کے امیدوار ہو سکتے تھے۔ جب وہ منتخب ہو
گئے تو گویا ان کی فتح ہو گئی اور ان کو موقع مل گیا۔ چنانچہ اس موقع کو نظرانداز نہیں کیا گیا
عثمانؓ جلد ہی مکہ کے مقتدر خاندانوں کے زیر اثر آگئے اور سلطنت کے اعلیٰ مناصب یکے
بعد دیگرے ان کے افراد کو ملنے لگے۔

عہد عثمانی اور اس دور کی سیاست: عرب جنگجوؤں میں عرصہ سے نامعلوم طریقہ پر
جو نفرت جڑ پکڑ رہی تھی وہ عثمانؓ کی کمزوری اور اقرباپروری کی وجہ سے نقطہ عروج پر
پہنچ گئی۔ مسلم تاریخ ان کے زمانہ کی ابتری کا سبب عثمانؓ کی ذاتی کمزوریوں کو قرار دیتی
ہے مگر واقعتاً اس کے اسباب زیادہ گہرے ہیں اور عثمانؓ کا قصور یہ ہے کہ وہ انھیں
سمجھنے، ان پر قابو پانے اور انھیں دور کرنے سے قاصر رہے۔ جنگ ہائے فتوحات
جو عمرؓ کی وفات تک عرب تاریخ کا خاص مقصد تھیں ان کے انتقال کے بعد رک
گئیں۔ عربوں کی ہجرت مکمل ہو چکی تھی۔ عرب عوام باہر نکل کر مفتوحہ صوبوں میں آباد ہو چکے
تھے اور حد سے زیادہ آبادی کی قوت محرکہ فی الوقت صرف ہو چکی تھی۔ [illegible] عربوں
کو اب نئی اور زیادہ دشوار رکاوٹوں کا سامنا تھا۔ ایران اور اناطولیہ بلند [illegible] اور وہاں کی
غیر ہمدرد اور نادرست آبادی جو شمال اور مشرق میں تھیں، اور مغرب میں سمندر۔ لہٰذا
جنگ ہائے فتوحات مشکل تر اور رفتار میں سست تر ہو گئیں۔ اس تعطل نے قبائلیوں
کو ان مسائل پر غور کرنے کا موقع دیا جو اب تک خاموش و خوابیدہ تھے اور جلد ہی بدعیانہ
مرکز گریز طاقتوں نے مل کر نظم و نسق کے انہدام اور عام ابتری کی کیفیت پیدا کر دی۔

میں سے اسلام کی طرف جوق در جوق آتے تھے ۔ عربوں کے لیے غیر عرب یا مسلمانوں کا تصور کچھ ایسا غیر متوقع تھا کہ نئے مسلمان موالی یا کسی عرب قبیلہ کے رعایا بن کر ہی دین میں شامل ہو سکتے تھے ۔ اگرچہ نظری طور پر موالی عربوں کے ہم پلہ اور بہت سے ٹیکسوں سے آزاد ہوتے تھے لیکن عرب اُن سے تنفر و تحقیر کا سلوک کرتے تھے اور اپنے آپ کو ان سے اعلیٰ و برتر سمجھتے تھے اور ایک عرصہ تک یہ کوشش جاری رہی کہ وہ اسلام کے مادی فوائد سے تمتع نہ کر سکیں ۔ ان میں سب سے زیادہ اہم دیوان سے جسے عمرؓ نے فتح کا مال عرب جنگ آزماؤں میں تقسیم کرنے کے لیے قائم کیا تھا تنخواہ اور پنشن کی وصولی کا معاملہ تھا ۔

اس نظام کے مفروضات عرب اور مسلم کا ایک ہونا اور مذہبی وقار کا قیام تھا ، جس کے ذریعہ خلیفہ اپنی حاکمیت کو بروئے عمل لاتا تھا ۔ جب یہ جائز نہ رہے تو اس کا ختم ہو جانا ناگزیر ہو گیا ۔

۴ نومبر ۶۴۴ء کو خلیفہ عمرؓ کو ایک ایرانی غلام نے شہید کر دیا ۔ اسلام میں نمازجنگی کے اندیشہ کو محسوس کر کے انھوں نے بستر مرگ پر ایک شوریٰ یا انتخابی حلقہ قائم کیا جس میں وہ لوگ شامل تھے جو ان کے جانشین بننے کے امیدوار ہو سکتے تھے انھیں یہ ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے آپ میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں ۔ شوریٰ کی کارروائی کے متعلق تو متناقض اطلاعات ہیں لیکن حیران کن انتخاب عثمانؓ بن عفان کا ہوا ۔ عثمان کو لوگ کمزور سمجھتے تھے ۔ بلکہ ان کے کمزور ہونے کا بھی شبہ تھا جو عربوں کی نظر میں بڑا خوفناک قصور ہے ، مگر ان کا انتخاب پرانے مکی عدیدی حکمران طبقہ کی فتح تھی جس نے نئے دین کے فوائد اس کے پیغمبرؐ کو تسلیم کرنے کے مقابلہ میں زیادہ جلدی اور مستعدی سے حاصل کیے تھے ، اور جو سابق سماجی راندۂ قوم لوگوں کو جن کا مدینہ میں اقتدار تھا حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ مکیوں کو شریک کرنے کی کوششوں

مخالف عناصر عمرؓ ہی کے عہد میں نمودار ہو چکے تھے اور وہ ان کی موت کا سبب بن سکتے تھے مگر عثمانؓ جیسے کمزور حکمران کے زمانہ میں وہ کھل کر سامنے آ گئے۔ ان کے خلاف جو بغاوت ہوئی وہ نہ مذہبی تھی نہ شخصی۔ یہ مرکزی قبضہ و اقتدار کے خلاف بدوؤں کی بغاوت تھی اور عمرؓ کی ریاست کے خلاف نہیں بلکہ ہر ریاست کے خلاف تھی۔ ان کا تصور حاکمیت اب تک بدویانہ تھا یعنی مقدس اور شخصی جس میں فرماں برداری رضاکارانہ پیش کش کے طور پر کسی فرد کی کی جاتی تھی۔ چونکہ عثمانؓ اسے پیدا کرنے میں ناکام رہے لہذا انھوں نے اسے واپس لے لینے میں اپنے آپ کو آزاد سمجھا۔

اگرچہ عثمانؓ پر مسلح حملہ کرنے والے مصر سے آئے تھے مگر مخالفت کا اصل مرکز مدینہ ہی میں تھا۔ یہاں وہ غیر مطمئن گروہ، طلحہؓ اور زبیر اور عمرؓو بن العاص اس وجہ سے ناراض تھے کہ انھیں مصر سے ہٹا کر عثمانؓ نے اپنے نامزد شخص کو بھیج دیا تھا اور عائشہؓ ام المومنین کا گھر خلیفہ کے خلاف سرگرمیوں کے مرکز بنے ہوئے تھے اور وہ غالباً ان واقعات سے بے تعلق نہیں تھے جو ان کے قتل پر منتج ہوئے۔ عمروؓ اور عائشہؓ نے واقعات کی رفتار کو دیکھ کر نازک موقعہ پر وہاں سے رخصت ہو کر عذر بخیر موجودگی پیش کرنے کے لیے ایک بیر شیبا روانہ ہو گیا۔ اور دوسری مکہ کو۔ علیؓ کا کردار صاف اور واضح ہے اگرچہ بظاہر وہ جانشینی کے امیدوار تھے اور تین دفعہ پہلے انھیں نظر انداز کر دیا گیا تھا مگر ان کا براہ راست اس قتل سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اگرچہ ان کی خاموشی اور اس سے باز رکھنے کے لیے اپنا اثر استعمال نہ کرنے نے ان کے دشمنوں کے ہاتھ میں مؤثر ہتھیار دیدیا تھا۔

بہرحال ۱۷ جون ۶۵۶ء کو مصر کی عرب فوج کے باغیوں کی ایک جماعت نے جو مدینہ میں اپنی شکایات پیش کرنے کے لیے آئی تھی خلیفہ کے مکان میں داخل ہو کر انھیں مہلک طور پر زخمی کیا۔ ان کا قتل تاریخ اسلام کا نقطۂ انقلاب ہے۔ باغی

مسلمانوں کے ہاتھوں خلیفہ کے قتل نے ایک الم انگیز مثال قائم کر دی اور خلافت کے مذہبی و اخلاقی وقار کو جو اسلام کا رشتہ - اتحاد سمجھا جاتا تھا بہت زیادہ کمزور کر دیا۔ اس کے بعد حکومت اور قبائل کے مابین صرف سیاسی اور مالیاتی رشتے باقی رہ گئے اور یہ اپنی جگہ دونوں ہی تکلیف دہ تھے۔

حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت کے اثرات:۔ اس واقعہ کے تقریباً فوراً بعد ہی علیؓ کو خلیفہ چن لیا گیا لیکن جو لوگ عثمانؓ کے دشمن تھے انھیں بھی ایسے شخص کو خلیفہ تسلیم کرنے میں تامل تھا، جو اگرچہ خود قتل عثمانؓ کا ذمہ دار نہ تھا مگر جس کی جانشینی بڑی حد تک خلیفہ کشی ہی کی وجہ سے تھی۔ دوسرے وہ لوگ جنھیں عثمانؓ سے کوئی محبت نہ تھی وہ نئے خلیفہ کو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے، چنانچہ ایک حامیٔ عثمان جماعت تیزی سے قائم ہو گئی جس نے یہ مطالبہ شروع کیا کہ مجرموں کو سزا دی جائے علیؓ اس مطالبہ کی تعمیل کرنے کے ناقابل تھے، پھر انھوں نے مقتول خلیفہ کے مقرر کردہ لوگوں میں سے بہت سوں کا تقرر منسوخ کر کے اپنے خلاف دشمنوں کی تعداد تیزی سے بڑھالی، ان کی مخالفت عائشہؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف سے شروع ہوئی جنھوں نے سابقہ واقعات میں خود اپنے کردار سے بے پروا ہو کر اور مکہ جا کر جنگ اور انتقام کا شور برپا کیا اور علیؓ سے لڑنے کے لیے فوجیں جمع کر کے بصرہ منتقل ہو گئے کیونکہ انھیں امید تھی کہ وہاں کے لوگ ان کی مدد کریں گے۔

اکتوبر ۶۵۶ء میں علیؓ فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس واقعہ کی دو اہمیتیں تھیں۔ اول یہ کہ اس سے مدینہ اسلامی سلطنت کا مرکز باقی نہیں رہا۔ کیونکہ پھر کوئی خلیفہ وہاں نہیں رہا۔ دوسرے یہ کہ اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک خلیفہ دوسرے مسلمانوں سے خانہ جنگی کے لیے مسلم فوج کی قیادت کر رہا تھا۔

علیؓ اور ان کی فوج مدینہ سے کوفہ گئی اور "غیر جانبدار" گورنر ابوموسیٰ سے

گفت و شنید کرنے کے بعد وہ اہل شہر کے خیر مقدم کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے وہاں سے وہ بصرہ کی طرف بڑھے اور جنگ جمل میں عائشہؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کی فوجوں کو شکست دی۔ یہ جنگ جنگ جمل کے نام سے اس لیے مشہور ہے کہ یہ خاص طور پر اس اونٹ کے ارد گرد لڑی گئی جس پر عائشہؓ ام المومنین سوار تھیں۔ فتح علیؓ کو نصیب ہوئی طلحہؓ اور زبیرؓ مارے گئے اور عائشہؓ کو مکہ واپس بھیج دیا گیا۔

بصرہ پر مختصر قبضہ رکھنے کے بعد علیؓ کوفہ واپس آ گئے اور یہ ان کا دارالحکومت بن گیا۔ اہل بصرہ نے ان سے موافقت نہ کی۔ اگرچہ علیؓ اب بجز شام ساری اسلامی سلطنت کے مالک تھے مگر ان کی ظاہری قوت کے باوجود قبائلی عدم اتحاد ان کے حامیوں کی نافرمانی اور مذہبی گروہ کی متضاد و متصادم آراء نے جس کی تعداد ان کے پیروؤں میں بڑی تھی اور جو ان کی حاکمیت پر برابر اعتراضات کرتے رہتے تھے۔ ان کی پوزیشن کو کمزور کر دیا تھا۔ شام میں معاویہ کی پوزیشن بڑی طاقتور تھی۔ وہ ایک مرکزی اقتدار کے سربراہ تھے جس کے پاس ایک اچھی اور سرحدی جنگوں کی تربیت یافتہ فوج تھی جس نے بازنطینیوں سے بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں۔ اخلاقی اعتبار سے بھی وہ بڑی قوت کے مالک تھے ان کے اقتدار و حاکمیت پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ انھیں عمرؓ نے مقرر کیا تھا اور عثمانؓ نے اس تقرر کی توثیق کی تھی جو آخری متفق علیہ خلیفہ تھے۔ اسپنے چچیا (عم) عثمانؓ کے خون کے انتقام کا مطالبہ عربوں کی قدیم رسم کے مطابق تھا جس کی تصدیق قرآن کرتا تھا۔ علیؓ اور ان کے مخالفین کی ابتدائی لڑائی میں وہ دانشمندی کے ساتھ غیر جانبدار رہے تھے اور اب بھی ان کی طرف سے خلافت کا کوئی دعویٰ پیش نہیں کیا جا رہا تھا بلکہ صرف انصاف کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ ان کا نازک اعتراض یہ تھا کہ علیؓ نے مجرموں کو سزا نہیں دی اس لیے وہ اخلاقی طور پر مجرم ہیں اور اس سے بدیہی نتیجہ ان کی خلافت کے استحقاق

پر اعتراض کی صورت میں نکلتا تھا۔ اس معاملہ میں مدبری رسوخ عمرو اور شام کی متحدہ فوج ان کے ساتھ تھی۔

علیؓ کے خلاف ان کی پہلی نافرمانی یہ تھی کہ انھوں نے علیؓ کے نامزد کردہ گورنر کے لیے اپنی جگہ خالی کرنے سے انکار کیا۔ اس حکم عدولی کی وجہ سے علیؓ کو کارروائی کرنا ضروری تھی وہ فوج لے کر مئی ۶۵۷ء میں تباہ شدہ رومن قصبہ صفین کے قریب دریائے فرات کے کنارے شامی فوجوں سے مقابل ہوئے۔ جنگ سے پہلے حسب دستور پہلے گفت و شنید ہوئی مگر بے نتیجہ رہی۔ اس گفت و شنید میں معاویہ نے مطالبہ کیا کہ قاتلان عثمانؓ کو سزا دی جائے اور ان کا استقبال کیا جائے اور غالباً یہ بھی کہ علی خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور ایک نئے شوریٰ کا تقرر عمل میں آئے جو نئے خلیفہ کو منتخب کرے۔ بالآخر لڑائی ہوئی اور ۲۶ جولائی کو علیؓ کی فوجیں غالب آگئیں۔ شامیوں نے اپنی شکست دیکھ کر نیزوں پر قرآن اٹھا لیے اور یہ نعرے لگانا شروع کیے کہ ہمارے تمہارے درمیان خدا فیصلہ کرے گا۔ اس اپیل کا تعلق صرف خلیفہ کشی کے سوال سے ہو سکتا تھا کیونکہ خلافت کے مسئلہ پر قرآن سے کسی دلیل و رہنمائی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ علیؓ اس چال کو سمجھ گئے تھے مگر ان کے ساتھیوں نے انھیں عارضی صلح کر لینے پر مجبور کیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ ہر فریق اپنا ایک نمائندہ مقرر کرے اور دونوں فریقوں کے لیڈر اس بات کا عہد کریں کہ وہ فیصلہ کی پابندی کریں گے۔ معاویہ نے اپنا نمائندہ عمرو کو مقرر کیا۔ علی کے پیروؤں نے حکم کے فرائض کے معنی اندھے سے لیے اور علیؓ کو مجبور کیا کہ وہ غیر جانبدار ابوموسیٰ کو اپنی طرف سے مقرر کریں۔ اس تدبیر سے معاویہ کی ایک فتح تو یہ ہوئی کہ انھوں نے خلیفہ اولی الامر کو خلافت کے جھوٹے مدعی کی سطح پر لا کھڑا کیا۔ پھر تحکیم کی اس کارروائی سے علیؓ کے لیے اور بھی مشکلات

پیدا ہوئیں۔ ان کے حامیوں کے ایک اہم گروہ نے اس اقدام سے ناراض ہو کر ان سے بغاوت کر دی جسے سخت خونریزی کے بعد فرو کیا گیا۔ یہ لوگ خارجی یا خوارج کے نام سے مشہور ہیں۔ اسلام کی بعد کی تاریخ میں یہ اکثر نمودار ہوتے رہے ہیں۔

جنوری ۶۵۹ء میں دونوں حکم دومۃ الجندل میں جمع ہوئے۔ عرب تاریخوں میں ان حالات کو مایوس کن حد تک جانبداری کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، لیکن یہ بات صاف ہے کہ حکموں کے فیصلے علیؓ کے لیے غیر تسلی بخش تھے اور ان میں غالباً ان کی خلافت سے دست برداری شامل تھی۔ علیؓ نے اس فیصلہ کو رد کر دیا اور صورت حال پھر وہی ہو گئی جو جنگ صفین سے پہلے تھی، فرق صرف اتنا ہوا کہ اب علیؓ کی پوزیشن فتنہ خوارج اور ان کے پیرووں کے انحطاط پذیر اخلاق کی وجہ سے اور زیادہ کمزور ہو گئی۔ معاویہ مصر کے صوبہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اس کی وجہ سے علیؓ دولت اور سامان رسد کی فراہمی کے ایک بڑے ذریعہ سے محروم ہو گئے معاویہ کھل کر مقابلے پر نہیں آتے مگر پاداش سے بے خوف ہو کر عراق میں لوٹ مار اور چھپ چھپ کر حملے کرنے لگے۔

علیؓ کی زندگی کے آخری سال کے واقعات تاریکی میں ہیں۔ ممکن ہے وہ معاویہ سے صلح کر لیتے یا ممکن ہے نئے حملے کی تیاری کرتے مگر جنوری ۶۶۱ء میں ایک خارجی ابن ملجم نے انھیں قتل کر دیا۔ ان کے بیٹے حسنؓ اپنی طرف سے خلافت کے حصول کی جدوجہد سے دست بردار ہو گئے اور اپنے حقوق معاویہ کو منتقل کر دیے جو اس وقت شام میں خلیفہ بن چکے تھے اور جلد ہی ساری سلطنت میں عام طور پر تسلیم کر لیے گئے۔

(یہ مقالہ ایک انگریز مستشرق کی ایک زہریلی کتاب کا ایک باب ہے میں نے یہ ترجمہ اس لیے کیا ہے کہ پڑھنے والے اندازہ کر سکیں، یورپ کے اہل علم بھی جنھیں زیادہ صاف دل ہونا چاہیئے۔ اسلام کی تاریخ لکھتے وقت کس طرح جھوٹ بولتے اور غلط نتائج اخذ کرنے پر آمادہ رہتے ہیں)

(رئیس احمد جعفری)

عرب یورپ میں

عرب زمانۂ قبل از اسلام میں سمندروں سے ناواقف نہ تھے۔ آغازِ اسلام سے صدیوں پہلے جنوبی عرب کے لوگ بڑے بڑے جہاز بناتے تھے اور بحیرۂ قلزم و بحرِ ہند میں بڑی اہم بحری آمد و رفت رکھتے تھے۔ لیکن شمالی علاقوں کے عرب اور خصوصاً حجاز، شام اور عراق کے سرحدی خطوں کے عرب خشکی ہی کی حدود میں محدود تھے اور سمندروں یا جہاز رانی سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ عظیم اسلامی فتوحات کا یہ بڑا شاندار اور قابلِ لحاظ پہلو ہے کہ انھوں نے اس کو اتنی جلدی سیکھ لیا۔ شامی و مصری سواحل کے چند سالہ قبضہ کے دوران ہی میں ریگستانِ عرب کے رہنے والوں نے اتنے بڑے بڑے جنگی بیڑے تیار کیے اور انہیں اس طرح چلایا کہ طاقتور اور تجربہ کار بازنطینی بحری بیڑوں نے ان سے شکست کھائی اور خلافت کی توسیع و تحفظ کی اولین ضرورت یعنی بحیرۂ روم کے کنٹرول کی تکمیل ہو گئی۔

شام و مصر کے مفتوح ہونے کے بعد بحیرۂ روم کے ساحل کی ایک طویل پٹی جس میں بہت سے بندرگاہ تھے اور جہاز رانی کے فن سے واقفیت رکھنے والی آبادی کا بڑا حصہ ان کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ عربوں کا مقابلہ اب تک بازنطینی فوجوں سے ہوا تھا۔ لیکن اب بحری بیڑے سے بھی سابقہ پڑا۔ پھر جب ۶۴۵ء میں بازنطینیوں نے سمندر کے راستہ سے اسکندریہ پر کچھ عرصہ کے لیے قبضہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ بحری طاقت کتنی ضروری ہے۔ چنانچہ اس کا تدارک فوراً ہوا۔ اسلامی بحری طاقت کی تخلیق و تعمیر کا سہرا

دو آدمیوں کے سر ہے۔ ایک امیر معاویہ امیر شام، اور دوسرے گورنر مصر عبداللہ بن سعد ابن ابی جراح ان دونوں نے اسکندریہ اور شام کی دونوں ساحلی بندرگاہوں میں مسلمانوں نے جنگی بیڑوں کو اس طرح آراستہ کیا کہ انہوں نے بہت جلد سمندر میں ایسی ہی شاندار اور حیرت انگیز فتوحات حاصل کیں جیسی بری فوجوں نے خشکی پر کی تھیں۔ سب سے پہلی بڑی بحری لڑائی ۶۵۵ء میں ہوئی جبکہ دو سو جہازوں کے مسلم بحری بیڑے نے بازنطینیوں کے اس سے زیادہ کثیر التعداد اور طاقتور بیڑہ کو اناطولیہ کے ساحل کے قریب شکست فاش دی۔

اس کے بعد جب عباسیوں نے مرکز خلافت شام سے بغداد کو منتقل کیا تو مرکزی حکومت کو بحیرہ روم سے وہ دلچسپی نہیں رہی لیکن مصر اور شمالی افریقہ کے آزاد مسلم حکمرانوں نے مدت تک بحری بیڑوں کو قائم رکھا۔ یہ بحیرہ روم کے ایک سرے سے دوسرے تک پورا پورا کنٹرول رکھتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فاطمی خلافت کے عہد میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب کہ بحری کپتانوں کی تعداد جن کی زیر کمان جہاز چلتے تھے پانچ ہزار تھی۔ نویں صدی عیسوی میں مسلم جہازوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی اور مسلم ساحلی بندرگاہوں کے درمیان آمد و رفت کے علاوہ شمال کی نصرانی بندرگاہوں سے بھی ربط و تعلق قائم رکھتے تھے۔

مسلمانوں کے نوتعمیر بحری بیڑے کی جنگی سرگرمیاں پہلے پہل قبرص، کریٹ اور رہوڈز کے بازنطینی جزیروں کے خلاف تھیں۔ یہ جزیرے مشرقی بحیرۂ روم میں بازنطینی بحری بیڑوں کے خاص مستقر تھے۔ عرب مورخین کا بیان ہے کہ ابتدائی خلفاء مادر بحری مہمات روانہ کرنے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے جنرلوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ کسی ایسے مقام کی طرف پیش قدمی نہ کریں جہاں ہیں اونٹ پر سوار ہو کر نہ پہنچ سکوں۔ ۶۴۹ء میں تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ نے کسی قدر نیم دلی کے ساتھ معاویہؓ کو قبرص پر پہلا حملہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے بعد عربوں نے

تھوڑی تھوڑی مدت کے لیے روڈس اور کریٹ دونوں پر قبضہ کیا۔ پھر عہد امیہ میں عربوں نے بحیرۂ مارمورا کے کسی جزیرہ تمار پر بھی قبضہ کیا جو کچھ دنوں قائم رہا اور اسے قسطنطنیہ پر مشترکہ بحری و بری حملے کے اڈے کے طور پر استعمال کیا گیا۔

مشرقی جزائر پر عربوں کا قبضہ بڑی حد تک مختصر اور عارضی تھا۔ لیکن سسلی پران کا حملہ بہت بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس جزیرہ پر ابتدائی حملوں کا آغاز معاویہ کی تحریک پر ہوا اور یہ مشرق قریب اور لیبیا کی طرف سے کیے گئے۔ اس کے بعد جو حملے ہوتے وہ زیادہ تر مشرق کے بجائے تونس کی طرف سے کیے گئے اور ان میں نپٹنے لاریا کے قبضہ سے جو ۶۷۰ء میں عمل میں آیا بہت مدد ملی۔ مگر فتح و تسخیر کی قطعی مہمات ۸۲۷ء تک شروع نہیں ہوئیں۔ ۷۴۰ء میں حبیب ابن ابی عبیدہ نے سراکوزہ کا محاصرہ کر کے اس سے خراج وصول کیا مگر افریقہ میں بربروں کی بغاوت کی وجہ سے اسے محاصرہ ترک کر کے واپس جانا پڑا۔ ۷۵۲-۵۳ء میں ایک اور حملہ ہوا اور اس کے بعد اختلال و بدامنی شروع ہو گئی جس میں جزیرہ کے بازنطینی حکام اور تیونس کے آزاد مسلم حکمرانوں کے مابین متعدد صلح نامے ہوتے۔

حقیقی فتح ۸۲۷ء میں ہوئی۔ بازنطینی امیرالبحر یوفیمیس نے اپنے آپ کو کسی جرم میں شاہی عتاب کا مورد بنتے ہوئے دیکھ کر جس کی نوعیت واضح نہیں ہے بازنطینی شہنشاہ کے خلاف بغاوت کر کے جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ بعد کو جب اسے شاہی فوجوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو وہ بھاگ کر تیونس چلا گیا اور اپنے ساتھ اپنے بحری جہاز بھی لے گیا۔ وہاں جا کر اس نے زیادۃ اللہ سے مدد طلب کی۔ یہ تیونس کا اغلبی فرمانروا اور حاکم تھا۔ پس و پیش کے باوجود اس نے اپنا بیڑہ جس کی تعداد ستر سے سو تک تھی اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ۸۲۷ء میں یہ بیڑہ مزارا پہنچ گیا اور فوجیں خشکی پر اتر گئیں۔ ابتدائی پیشقدمی کے بعد حملہ آوروں کو پسپائیوں کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بڑی مشکل میں پھنس گئے مگر اتفاق سے اسی زمانے میں اسپین سے مہم پسندوں کا ایک دستہ پہنچ گیا جس نے انہیں اس سے

نجات دلائی۔ اس کے بعد پیش قدمیوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا اور ۸۳۱ء میں مسلمانوں نے پلرمو پر قبضہ کر لیا جو مسلم عہد کے آخر تک جزیرہ کا دارالحکومت رہا اور جس نے آئندہ کی فتوحات کے سلسلے میں مستقر کا کام دیا۔ جزیرہ میں مسلم اور بازنطینی فوجوں کے درمیان ۹۶-۸۹۵ء تک جنگ جاری رہی اور بحر و بر دونوں طرف سے حملے اور جوابی حملے ہوتے رہے۔ بالآخر بازنطینی صلح کرنے اور سسلی سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوئے۔ مسلمانوں نے ۸۴۳ء میں میسینا پر ۸۵۹ء میں کاسروگیوفی پر اور ۸۷۸ء میں سرکوز پر قبضہ کیا۔ اسی دوران میں ان کی فوجیں براعظم کی سرزمین پر بھی اتر گئی تھیں، اور باری اور ٹورنٹو میں چھاؤنیاں بنالیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی آمد سے نیپلز، روم بلکہ شمالی اٹلی بھی خطرہ میں پڑ گیا اور پوپ کو دو سال تک انھیں خراج بھی دینا پڑا۔ ۸۸۲ء اور ۹۱۵ء کے درمیان گواری لیانو کی مسلم فوجی نو آبادی نے کپانا اور جنوبی لیٹیم کو دہشت زدہ کیا جسے ممکن ہے سسلی سے بھیجا گیا ہو گا۔

شروع میں سسلی سیاسی و انتظامی اعتبار سے تیونس کے ماتحت تھا۔ اغلبیوں کے زوال اور فاطمیوں کے غلبہ کے بعد جزیرہ کا اقتدار اعلیٰ نئے خلفاء کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا۔ ابتداء میں فاطمی عمال کا تقرر فاطمی حکومت کرتی تھی اور ہنگامی زمانہ میں اس کا انتخاب پلرمو کے امراء کرتے تھے۔ جب ۹۶۹ء میں فاطمی مصر پر قابض ہوئے تو مرکزی حکومت کا کنٹرول کمزور ہو گیا اور گورنر کا عہدہ حسن ابن علی الکلبی کے خاندان میں موروثی ہو کر رہ گیا۔ کلبیوں کی موروثی گورنری کا جو زمانہ ۱۰۴۰ء تک قائم رہی جزیرہ پر مسلم عہد اقتدار کے قوت و اثر کے عروج کا زمانہ ہے۔ دسویں صدی کا سیاح ابن حوقل (HAWGAL) لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں صرف پلرمو میں تین سو مساجد تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے قوت و نفوذ کا عالم کیا تھا۔ بعد کے دوسرے مؤرخوں نے عربی تمدن اور عربی علم و ادب کی ترقی و شباب کا حال لکھا ہے لیکن اب اس کے آثار بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔

کلبیوں کے زوال کی وجہ اہل سسلی اور افریقی مسلمانوں کی خانہ جنگی ہے۔ اس خانہ جنگی نے جزیرہ کے اتحاد کا خاتمہ کر دیا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد جس میں خود دلیر مگر امراء کی ایک کونسل کی اور باقی جزیرہ پر مقامی شہزادوں کی حکومت تھی نارمنوں نے جنہوں نے اس اثنا میں جنوبی اٹلی میں قدم جما لیے تھے۔ جزیرہ پر حملہ کر کے اس کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا ۱۰۶۱ء میں روجر اول نے میسینا کو فتح کیا اور ۱۰۹۱ء تک بجز چھوٹی چھوٹی چوکیوں کے جہاں مسلمان ابھی تک جمے ہوئے تھے سارے سسلی پر قبضہ کر لیا نارمن اقتدار کے ماتحت جو ۱۱۹۴ء تک قائم رہا۔ شہروں کا اہم ترین متمدن طبقہ ہجرت کر کے شمالی افریقہ اور مصر کو چلا گیا۔

عربوں نے سسلی میں بھی حکومت کے وہی اصول اور وہی طریقے اختیار کیے جو انہوں نے مشرق کے مفتوحہ ممالک میں استعمال کیے تھے۔ انہوں نے لگان اور اراضی کی تقسیم کے سلسلے میں بڑی اہم سوشل تبدیلیاں کیں۔ جزیرہ میں اب تک جن مقامات کے نام عربی باقی رہ گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی نوآبادکاری کی شدت کا عالم کیا تھا۔ سسلی کی زبان میں بہت سے عربی لفظوں کی موجودگی زراعت سے ان کی دلچسپی کا ثبوت ہے۔ عرب اپنے ساتھ سسلی میں نارنگیاں، شہتوت، گنا، کھجوریں اور روئی لائے اور یہاں ان کی کاشت شروع کی۔ زراعت کی ترقی کے لیے نظام آبپاشی قائم کیا آج تک سسلی میں اور خصوصاً پلرمو میں بہت سے فوارے موجود ہیں جن پر عربی نام لکھے ہیں اور آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ عرب عہد حکومت کے آثار قریب قریب سب مٹ چکے ہیں اور عربوں نے سسلی میں جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کے بھی صرف اجزا باقی رہ گئے ہیں۔ سسلی کا سب سے بڑا شاعر ابن حمدیس متوفی ۱۱۳۲ء کا حال ہمیں اس کی تصانیف کے اسپینی و شامی ترجموں سے معلوم ہوتا ہے۔ اصل تصنیفات موجود نہ ہونے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ جس سامان سے کتابیں وجود میں آئیں وہ تلف ہو جانے والا تھا۔ دوسری یہ ہے کہ نارمنوں کی فتح کے بعد شہروں کا متمدن طبقہ شمالی افریقہ کو ہجرت کر گیا۔ پھر سب سے زیادہ یہ کہ نارمن فاتحوں کا سرگرمِ عمل

تاراج کن تھیں۔ انھوں نے ہر چیز کو برباد کر دیا۔ لیکن نارمنوں نے بہت جلد اپنے آپ کو جزیرہ کے موجود الوقت کلچر سے سازگار بنالیا۔ نارمنوں کے زمانہ کے سسلی کے تمدن اور درباری آداب و رسوم میں عرب و مسلم تمدن کے عناصر کافی تعداد میں موجود ملتے ہیں۔ روجر دوم (۱۱۳۰-۵۴ء) جسے مجسمہ جاہلیت" کہا جاتا ہے۔ عرب فوجوں اور فن محاصرہ کے عرب انجنیئروں سے کام لیتا تھا اور اپنے محلات و قصور کی تعمیر عرب مہندسوں سے کراتا تھا۔ عرب نارمن طرز کہ فن تعمیر اسی کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ اس کی تاجپوشی کے نفیس جبایدہ پلرمو کے شاہی کارخانہ کا بنا ہوا ہے جس کے حاشیہ کوفی میں ایک عربی تحریر اور سن ہجری ۵۲۸ھ لکھا ہوا ہے۔ اس کے دربار میں قصیدہ خوان عرب شاعر بھی تھے۔ ایک مسلم مؤلف نے ان قصیدوں میں سے کچھ قصیدے اور اشعار جو اس بادشاہ کی تعریف میں عربی میں لکھے گئے تھے محفوظ کر دیے ہیں اور اس کی مذمت کی ہے کہ ان لوگوں نے ایک کافر کی تعریف و توصیف کر کے اپنی ذلت و پستی کا ثبوت دیا ہے۔ خدا انہیں جہنم واصل کرے۔ یہ روجر ہی کا دربار تھا جس میں مشہور عرب جغرافیہ دان ادریسی نے اپنی مشہور کتاب "کتاب الرجار" لکھی اور اسے راجر کے نام سے موسوم کیا۔

۱۱۸۵ء میں اسپین کا مسلم سیاح ابن جبیر سسلی آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ بادشاہ (ولیم دوم ۱۱۶۶-۱۱۸۹ء) عربی لکھ پڑھ سکتا ہے۔ اس کے معتمدین میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ وہ انہیں اہم معاملات کے انصرام پر بھی مامور کرتا ہے۔ اس کے مطبخ کا داروغہ مسلمان ہے اور وزیر و حاجب بھی مسلمان ہیں۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ پلرمو کے عیسائی بھی شکل و شباہت سے مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا سا لباس پہنتے اور عربی زبان بولتے ہیں۔ نارمن بادشاہ عربی الفاظ میں ہجری سن کے ساتھ اپنے سکے مسکوک کرتے رہے۔ بلکہ شروع شروع میں تو ان پر کلمہ بھی ثبت ہوتا تھا۔ بہت سے سرکاری کاغذات عربی میں تحریر ہوتے تھے، حتیٰ کہ عدالتی کاغذات اور ریکارڈ بھی عربی میں لکھے جاتے تھے۔

نارمنوں کے بعد جب صوابی خاندان برسر اقتدار آیا تو عربی کے بجائے رفتہ رفتہ
لاطینی زبان لیتی چلی گئی۔ آخری عربی کی دستاویز جو سسلی میں ملتی ہے وہ سنہ ۱۲۴۲ء کی لکھی ہوئی
ہے۔ لیکن عرب کلچر پھر بھی باقی رہا اور فریڈرک دوم (وفات سنہ ۱۲۵۰ء) کے عہد میں خوب ترقی
پر رہا کیونکہ مشرق کے مسلم ممالک سے اس کے تعلقات بہت وسیع تھے۔ مینفرڈ متوفی
۱۲۶۶ء کے زمانہ میں بھی عربی اثرات کی علامتیں ملتی ہیں اور صقلیہ کی مسلم نوآبادی کے
نوسرا کیمپ میں جسے فریڈرک دوم نے اصل سرزمین پر قائم کیا تھا پنج وقتہ نماز
باقاعدگی کے ساتھ ادا کی جاتی تھی۔ لیکن قدیم کلچر جاں کنی کی حالت میں تھی اور چوتھی صدی
عیسوی کے آغاز میں عربی زبان جزیرہ سے مٹ چکی تھی اور اسلام ارتداد یا ترک وطن
کے ذریعہ بیخ و بن سے اکھڑ رہا تھا مجموعی طور پر یورپ کو اسلامی کلچر منتقل کرنے میں
سسلی کا حصہ کمتر ہے۔ اس کی کامیابیوں کا خاص سلسلہ فریڈرک دوم کے زمانہ
سے شروع ہوتا ہے جبکہ بہت سے یہودی اور عیسائی مترجموں نے اصل عربی کی متعدد
کتابوں اور یونانی مصنفات پر مبنی کتابوں کے سلسلے کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ ان میں ایک
شخص مشرقی نژاد منجم تھیوڈور تھا جس نے صحت و صفائی اور شاہین بازی پر کتابیں ترجمہ
کی ہیں۔ دوسرا مشہور مائیکل اسکاٹ ہے۔ یہ اسکاٹش نژاد جادوگر اور منجم ہے جس
نے عربی اور عبرانی زبان اسپین میں حاصل کی اور مرتے وقت تک فریڈرک کی ملازمت
میں رہا۔ سسلی کا آخری مترجم یہودی ڈاکٹر فرج ابن سلیم تھا۔ اس نے رازی کی مشہور
طبی کتاب زمانہ وسطی کے مغرب کے رازی کا ترجمہ انجوی بادشاہ چارلس اول کے لیے
لاطینی میں کیا۔

عربوں کو سب سے زیادہ شاندار اور مستقل فتوحات اسپین میں حاصل ہوئی
تھیں سنہ ۷۱۰ء میں ایک بربر فوج باغی گاتھ گورنر کی دعوت پر الجیراس میں اتری۔
دوسرے سال بربر سردار طریف نے طریفہ اور الجیراس کے درمیانی علاقہ پر حملہ کیا

طریفہ نام اس کے نام پر رکھا گیا جو آج تک باقی ہے۔ ان ابتدائی حملہ آوروں کی کامیابی کی بنا پر موسیٰ ابن نصیر کے جنرل طارق نے جو شمالی مغربی افریقہ کا گورنر تھا ایک بڑی فوج لے کر ساحل اسپین پر لنگر انداز ہوا اور جبل الطارق، کارٹیا اور الجیسراس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اندر کی طرف نفوذ کیا اور گاتھ فوج کو شکست دے کر قرطبہ اور ٹولیڈو پر قابض ہو گیا۔ اب تک یہاں جو فوج لڑی تھی وہ تمام تر بربر تھی لیکن ۷۱۲ء میں موسیٰ بن نصیر خود دس ہزار عرب فوج لے کر پہنچ گیا اور سویلے اور پر یڈا کے شہروں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد عربوں کی پیش قدمیوں کی رفتار تیز ہو گئی اور ۷۱۸ء تک وہ جزیرہ کے بڑے حصہ پر قبضہ کر کے کوہ پرینیز کے پار جنوبی فرانس میں پہنچ گئے۔ یہاں ان کی پیش قدمی ۷۳۲ء میں پوائٹرے کی اس لڑائی کے بعد رک گئی جو فرانسیسیوں نے چارلس مارٹل کی سالاری میں لڑی۔

عرب فتوحات سے پہلے اسپین کی حالت بڑی ناگفتہ بہ اور سقیم تھی۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ کسی زمانہ میں اسپین جس طاقت کا مالک تھا اب اس کا صرف نام رہ گیا تھا۔ ایک طرف بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کا چھوٹا سا طبقہ تھا جو عیش و عشرت اور دولت کی فراوانی میں مست تھا۔ دوسری طرف غلاموں اور محکوموں کی اکثریت اور تباہ شدہ طبقہ متوسط، طبقہ اعلیٰ ٹیکسوں سے قریب قریب مستثنیٰ اور دولت و عشرت میں مست تھا۔ باقی سب لوگ بھوکے، مفلس اور قلاش تھے۔ دیہات میں بھاگے ہوئے غلاموں اور کھیت مزدوروں کے غول ڈاکے ڈالتے پھرتے تھے۔ ۶۱۶ء میں جزیرہ نما کے بہت سے یہودیوں کے استیصال اور مذہبی عقوبت و تعزیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سے حالات کی ابتری میں اور اضافہ ہوا۔ گاتھ فوج زیادہ تر غلاموں پر مشتمل تھی، جن سے زبردستی فوجی خدمت لی جاتی تھی۔ لہٰذا اس کی ناقابلِ اعتمادی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ عربوں کی ابتدائی فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ گاتھ ریاست کا

کرم خوردہ ڈھانچہ تقریباً فوراً ہی زمین پر آرہا۔ غلاموں نے ہڑتال کر دی، یہودیوں نے بغاوت
کرکے حملہ آوروں کا ساتھ دینا شروع کر دیا اور ٹالیڈو کا شہر ان کے سپرد کر دیا۔

گاتھ کے خاتمہ کے بعد عربوں کی نئی حکومت معتدل اور متحمل قسم کی تھی۔ یہاں تک کہ
اسپینی مؤرخوں نے اسے شمال کے فرانسیسی راج کے مقابلہ میں اسے قابل ترجیح قرار دیا ہے۔ سب
سے بڑا فائدہ جو نئی حکومت سے پہنچا وہ یہ تھا کہ امراء اور پادریوں کا پرانا حکمران طبقہ
ختم ہو گیا جن زمینوں پر ان کا قبضہ تھا وہ کاشتکاروں میں تقسیم کر دی گئیں جس سے چھوٹے چھوٹے
مالکان آراضی کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو آگے چل کر مسلم اسپین کی خوشحالی کا اصل
اساس بنا۔ غلاموں کی حالت بدرجہا بہتر ہو گئی۔ بیشتر لوگوں نے اسلام قبول کر کے
اور عربوں سے متحد ہو کر اپنی مشکلات کا حل نکال لیا۔

فتوحات حاصل کرنے کے بعد حملہ آور فوجوں کے سپاہی اسپین ہی میں رہنے لگے۔
اور وہیں انہوں نے گھر بار بنا کر شادیاں کر لیں۔ آٹھویں صدی عیسوی شمالی افریقہ اور
مشرق کی طرف سے ہجرت کر کے آنے والوں کے بڑے بڑے قافلے آئے۔ ان میں عربوں
سے زیادہ افریقیوں کی تعداد ... تھی یہاں تک کہ ۷۴۱ء میں بربروں کی قوت
اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے عربوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ خلیفہ نے ایک حربی فوج،
جس میں زیادہ تعداد شامیوں کی تھی اسپین روانہ کی جو ۷۴۲ء میں سفر کی سخت صعوبتیں
اٹھا کر وہاں پہنچی۔ اس کا سالار بلخ ابن بشر تھا اس نے جلد ہی بربروں کو شکست دی
اور جاگیر میں اسپین کا زرخیز ساحل کا علاقہ حاصل کیا۔ شام کے ان نوآبادکاروں کو اسپین
میں اسی منصوبہ کے مطابق آباد کیا گیا جس طرح شام میں کیا گیا تھا۔ ہر شامی ضلع کے لوگوں
کو اسپین کا ایک علیحدہ ضلع دے دیا گیا۔ البیرا میں دمشق والے رکھے گئے، ملاغا
میں اردن والے، صدونیا میں فلسطینی، اشبیلیہ میں اہل حمص اور جیان میں قنسرین۔ مصر
کی فوج بیجا اور مرسیا پر قابض ہو گئی۔ یہ سارے عرب جاگیردار اس بات کے مکلف

رکھے گئے کہ قرطبہ کی حکومت کو جب بھی ضرورت ہوگی وہ انہیں فوجی خدمات کے لیے طلب کرے گی۔ اس کے علاوہ ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اپنی زمینوں پہ آزادی کے ساتھ رہتے تھے لیکن اس وقت تک عربوں نے کھیتی باڑی شروع نہیں کی تھی بلکہ جاگیردار اکثر اپنے ضلع کے شہروں میں رہتے تھے اور اسپینی غلاموں کو لگان پر دے کر یا بیر پا بٹھا کر گزر اوقات کرتے تھے۔ اس طرح ان کی ایک علیحدہ شہری آبادی قائم ہوگئی، عرب جنگجو قوم کی آبادی جو اپنی زمین کے لگان پر گزر بسر کرتی تھی اور امتیاز کے لیے شامی کہلاتی تھی۔

ملک میں شامی عناصر کے اس طرح طاقت پکڑنے سے مشرق کے مفرور اموی شہزادہ عبدالرحمٰن کے لیے بڑی موافق فضا پیدا ہوگئی۔ بلخ کی فوج میں ابتدائی کام کرنے کے بعد جن میں سے اکثر سابق اموی رعیت تھے۔ ۵۵۷ء میں وہ المفیقر میں اترا اور جلد ہی عباسی گورنر کو شکست دے کر ۵۶ء میں قرطبہ پر قبضہ کر کے اسپین میں آزاد و مستقل اموی سلطنت کی بنیاد رکھی جو ۱۰۳۱ء تک قائم رہی۔

اسپین کے امویوں کے عہد اقتدار کا ابتدائی دور بڑی شورش میں گزرا اور قرطبہ کے امیر ملک میں امن قائم کرنے اور آبادی کے مختلف عناصر کی خفیہ و علانیہ بغاوتوں کے فرو کرنے میں مصروف رہے۔ عرب زیادہ تر شہروں میں رہتے تھے اور فوجی طبقہ شرفا و امرا کی رعیت کہلاتے تھے۔ ان کا سب سے زیادہ زور جنوب مشرق میں تھا اور ایک زمانہ میں حکومت کو ان سے بڑا خطرہ پیدا ہوگیا تھا مگر جب نویں صدی میں عربوں کی آمد کا سلسلہ بند ہوگیا اور عربوں اور اسپین کے نومسلموں میں اختلاط ہوا تو بڑے بڑے عرب خاندانوں کا اثر رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا گیا اور آخری دور میں پبلک معاملات میں ان کا کوئی دخل و اثر باقی نہیں رہا۔ لیکن بربر عربوں سے بھی کثیر التعداد اور خطرناک تھے اور ان کی تعداد مہاجرین کی آمد کی وجہ سے گیارھویں صدی تک بڑھتی رہی۔ شہروں میں ان کی آبادی کم تھی اور رفتہ رفتہ دوسروں سے خلط ملط

ہو کر ختم ہو گئے لیکن ان کی اکثریت ہومراکش کے کہستانی علاقہ کے بسنے الی تھی یہاں پہاڑی اضلاع میں رہتے تھے اور کھیتی باڑی اور مویشی اور بھیڑ بکریوں کی پرورش کے مواقع اور پہاڑی خطوں سے مانوس ہونے کی وجہ سے ان کو پسند کرتی تھی۔ آخر میں خدا اسپینی عیسائی یہودی اور نومسلم تھے۔ غیر مسلم ذمی دوسری جگہوں کے مقابلہ یہاں زیادہ منظم اور زیادہ تعداد میں تھے۔ ان کے معاملہ میں حکومت کی پالیسی بڑی معتدلانہ اور فراخ دلانہ تھی لیکن قبول اسلام کے ذریعہ نومسلموں کی تعداد میں تیز رفتار اضافہ کسی جبر کی وجہ سے نہیں بلکہ کشش کی وجہ سے تھا اور یہ وسیع پیمانہ پر تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی بولنے والے اسپینی مسلمانوں کی تعداد جن میں آزاد آزاد شدہ اور غلام مسلمان شامل تھے۔ آبادی کا بڑا حصہ بن گئی۔ جو لوگ اپنے قدیم مذاہب پر قائم رہے انہوں نے بھی عربی بولنا شروع کر دی۔ نویں صدی عیسوی کے وسط کا ایک قرطبی عیسائی تاسف کے ساتھ لکھتا ہے:-

"میرے بہت سے ہم مذہب عربوں کے اشعار اور ان کی کہانیاں پڑھتے ہیں۔ اور مسلم علماء اور فلاسفروں کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی تردید و تغلیط کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ عربوں کی طرح عربی زبان کو کس طرح صحت و فصاحت اور سلاست کے ساتھ بول سکتے ہیں۔ آج وہ آدمی کہاں نظر آتا ہے جو صحف مقدسہ کی لاطینی تفسیریں پڑھتا ہو، نہ کوئی مواعظ کا مطالعہ کرتا ہے، نہ انبیاء کا نہ اولیاء و صلحا کا۔ بہر نوع جوان جو کچھ بہر کال رکھتا ہے۔ وہ صرف عربوں کی زبان اور ان کے لٹریچر کا علم رکھتا ہے۔ وہ عربی کتابوں کا بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اور بڑی قیمت ادا کر کے شاندار کتب خانے قائم کرتے ہیں اور ہر جگہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ اگر قابل تحسین و ستائش کوئی لٹریچر ہے تو صرف یہ ہے۔ ہم میں ہزاروں میں سے مشکل سے ایک آدمی ایسا ہو گا جو اپنے کسی دوست کو لاطینی میں صحیح خط لکھ سکے۔

ملکوں ایسے ہزاروں ملیں گے جو عربی میں اظہار خیال کرتے ہیں اور عربوں سے زیادہ حسن ذوق کے ساتھ شعر کہتے ہیں۔

تقریباً یہی وہ زمانہ تھا جس میں سو دیلے کے آیاک بشپ نے انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا اور اس پر حواشی لکھے اور کسی تبلیغی جذبہ و مقصد سے نہیں بلکہ خود اپنے فرقہ کے لیے۔ سرکاری ملازمت میں بہت سے عیسائی موجود رہتے تھے یہاں تک کہ اُموی اُمراء اہم سفارتی امور کی انجام دہی کا کام بھی پادریوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ مصارب کی اصطلاح جو عربی کے لفظ مستعارب سے ماخوذ ہے۔ عربی بولنے والے عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ نو مسلموں کو اسپین کی تاریخ میں مرتدین کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مگر عربی میں ان کو مولد کہتے تھے۔

عبدالرحمٰن دوم (۸۵۲-۸۲۲) کا عہد امن وامان کا نسبتاً طویل عہد تھا۔ اس نے سلطنت قرطبہ کو عباسی طرز پر منظم کیا اور وحدانی دفتری طریق نظم ونسق جاری کیا۔ وہ بڑا علم دوست اور علماء نواز تھا۔ اس نے اپنے یہاں مشرق سے بہت سی کتابیں منگائیں اور بہت علماء وفضلاء کو بلایا اور اسپین اور مشرق کے اسلامی تمدن کے مراکز کے مابین کلچرل روابط کو بہت زیادہ مضبوط کیا۔ سب سے زیادہ مشہور شخصیت زریاب کی تھی۔ یہ ایک ایرانی موسیقار تھا جو ہارون الرشید کے دربار سے اپنے استاد کے حسد کی وجہ سے نکالا گیا تھا۔ اس نے آکر قرطبہ کے دربار میں پناہ لی اور ذوق نفاست میں دار الحکومت کے اندر وہ مرتبہ پایا کہ کوئی ہمسری نہ کر سکا۔ اس نے مشرقی تہذیب میں ایسی نفاستیں پیدا کیں اور ایسی باتوں کو رواج دیا جن کا اس سے پہلے کسی کو تصور بھی نہیں تھا۔ موسیقی سے لے کر پوشش ولباس اور مزے دار ترکاری اسپیریگس تک اُس نے بہت سی نئی چیزوں کا اضافہ کیا۔

عبدالرحمٰن کے جانشینوں کے عہد میں اندرونی اختلاف وانتشار کا خطرہ رفتہ رفتہ

ختم ہو گیا۔ عرب بربر اور اسپینی مسلمان بتدریج ایک ایسی متجانس آبادی بن گئے جسے اپنی کلچرل اور سیاسی آزادی پر فخر تھا اور جس کا نقطہ نظر جزیرہ نما کے سود و بہبود ہی تک محدود تھا۔ سیاسی و تمدنی اتحاد کی اس تحریک کو دسویں صدی عیسوی کے اوائل کے واقعات سے بہت زیادہ تقویت ملی۔ شمالی افریقہ میں فاطمیوں کے عروج اور وسیع باغیانہ و انقلابی تحریک کی بنا پر تفرقہ انداز مخالف خلافت ادارہ کے قیام کی بنا پر عبدالرحمٰن ثالث نے خود خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا اور اس طرح مسلمانانِ اسپین کا مذہبی مقتدر اعلیٰ بن گیا اور خلافت بغداد سے تمام تعلقات منقطع کر کے آزاد و خود مختار بن گیا۔

عبدالرحمٰن ثالث کی خلافت اسپین میں اموی اقتدار کا نقطہ عروج تھی۔ اس کے عہد کی سب سے بڑی خصوصیت سیاسی استحکام اور اندرونی امن و امان تھا اور اس میں عرب جاگیردار اور بربر کوہستانی دونوں سختی کے ساتھ مرکزی حکومت کے ماتحت تھے۔ مشرق کے اثرات رفتہ رفتہ ناپید ہو گئے اور ایک نئی ہسپانوی عرب تہذیب نمایاں ہونا شروع ہو گئی جس میں قدیم عرب روایات کو مقامی ماحول کی تبدیلیوں کے ماتحت کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ مشرق (خلافت بغداد) کے ساتھ تجارتی تعلقات کے قیام اور بازنطین سے سفارتی روابط کی استواری سے پتہ چلتا ہے کہ اسپین کی اموی ریاست کی طاقت و وقار کا عالم کیا تھا۔ الحکم دوم (۹۶۱-۹۷۶ء) جس نے کئی ہزار کتابوں کا ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا اور بالخصوص اس کے وزیر المنصور یا المنظور نے جو اصل حکمران تھا اس نے حکومت کے مرکزی اقتدار کو بڑھانے اور ملک کی آبادی کو متحد کرنے کے سلسلے میں عبدالرحمٰن کی کوششوں کو برابر جاری رکھا۔

ہشام (۹۷۶-۱۰۰۸) کے عہد میں المنصور کی وفات کے بعد انتشار پیدا ہوا۔ مرکز کا کنٹرول ختم ہو جانے سے دو فریقوں اندلسیوں یعنی اسپین کی کل مسلم آبادی اور شمالی افریقہ کے نو وارد بربروں کی پرانی رقابتیں عود کر آئیں۔ اس کے بعد جو فساد اور

خانہ جنگی ہوئی اس میں ایک نئی پارٹی سلاو پیدا ہو گئی جس نے اس میں نہایت فیصلہ کن حصہ لیا۔ سلاو کی اصطلاح ابتدا میں مشرقی یورپ کے غلاموں کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ اس کے بعد ہر یورپی غلام جو شاہی ملازمت میں تھا سلاو کہا جانے لگا۔ ان میں سے بہت سے اطالوی تھے اور ان علاقوں سے تعلق رکھتے تھے جو عیسائی یورپ کا آزاد حصہ تھے۔ انہیں نوجوانی کے زمانہ میں لایا جاتا تھا۔ مذہباً مسلمان ہوتے تھے اور زبان عربی بولتے تھے۔ نویں صدی کے وسط تک فوج اور محل شاہی دونوں میں ان کی اہمیت و حیثیت بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ عبدالرحمٰن ثالث کے عہد میں ان کی تعداد ۵۰،۳۷ تک پہنچ گئی۔ ان میں سے بہت لوگوں نے آزاد ہو کر بڑی دولت اور بڑا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اموی سلاطین انہیں عرب جاگیردار امراء کے خلاف بطور توازن استعمال کرتے تھے اور حکومت کے بڑے بڑے عہدوں اور فوج کے اعلیٰ منصبوں پر مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کی آزادی و محکومی اور بربروں سے لڑائی جھگڑوں کا امویوں کے زوال میں بڑا دخل ہے۔

گیارھویں صدی کا نصف اول سیاسی گروہ بندیوں اور ریشہ سازیوں کا زمانہ تھا جس میں اسلامی اسپین متعدد چھوٹی بادشاہتوں میں تقسیم ہو گیا یہ بادشاہتیں ان لوگوں نے قائم کیں جو بربر، سلاو یا اندلوسی نسل کے تھے اور جماعتی بادشاہ کہلاتے تھے۔ اس سیاسی کمزوری کی وجہ سے اسلامی اسپین دوہرے حملے کا آماجگاہ بن گیا شمال کی طرف سے عیسائیوں کے حملہ کا جس میں فرانسیسیوں کی امداد بھی شامل تھی۔ اور جنوب کی طرف سے بربروں کے حملہ کا۔ ۱۰۸۵ء میں عیسائی حملہ کرتے ہوئے اسپین نے ٹولیڈو کے شہر کو زد میں لے لیا۔ اس کا سقوط اسلامی اسپین پر کاری ضرب تھی۔ مگر سیاسی کمزوری اور اختلاف و انتشار کے باوجود انفرادی یا جماعتی بادشاہتوں کا درمیانی زمانہ تمدنی ترقی کے شباب کا زمانہ تھا۔ بادشاہوں کے دربار علم و حکمت، سائنس

اور لٹریچر کے مرکز بنے ہوئے تھے اور خلافت کے زوال کی وجہ سے بغداد سے اقتصادی و
تمدنی تعلقات بڑی سرگرمی کے ساتھ قائم ہو گئے تھے ۔

بالآخر افریقی بادشاہوں کا عہد افریقہ کی طرف سے بربروں کے نئے حملے کے بعد
ختم ہو گیا۔ خاندان المراویہ کا بانی یوسف ابن تاشفین خود اندلسیوں کی دعوت پر آیا۔ مقصد
یہ تھا کہ اس سے عیسائیوں کے خطرہ کا مقابلہ کرنے میں مدد لی جائے مگر ۱۰۸۶ء میں عیسائیوں
کو شکست دینے کے بعد اس نے افریقی بادشاہتوں کو امور سلطنت میں شامل کرنا شروع کر دیا
پھر المراویہ کی جگہ سخت و متشدد بربر فرقہ الموحدین برسر اقتدار آ گیا۔ اسپین کی از سر نو فتح کا سلسلہ
برابر جاری رہا۔ ۱۱۹۵ء میں مسلمانوں نے الارکس میں بہت بڑی فتح حاصل کی۔ اس کے بعد
۱۲۱۲ء میں لاس نوراس ڈی ٹولوسا میں مسلمانوں کی شکست سے عیسائیوں کو مسلسل
پیشقدمیوں کا موقع مل گیا یہاں تک کہ ۱۲۳۶ء میں قرطبہ پر اور ۱۲۴۸ء میں سویلے پر قابض
ہو گئے۔ المراوی سلطنت چھوٹی چھوٹی افریقی بادشاہتوں میں تقسیم ہو گئی جو بہت تھوڑی مدت
قائم رہ سکیں۔ تیرھویں صدی کے اواخر تک عیسائی تقریباً سارے جزیرہ نما کو فتح کر کے اس
پر قابض ہو چکے تھے۔ صرف غرناطہ کا شہر اور صوبہ باقی رہ گیا تھا۔ جہاں اس کے بعد بھی دو
سو سال تک ایک مسلم خاندان حکومت کرتا رہا۔ انہی غرناطہ میں اسپینی اسلام کے آفتاب
عروج و اقبال کے غروب کے زمانہ میں الحمرا کے شاندار و بے مثال تجربہ ہائے فن تخلیق وجود
میں آئے۔ ۲ جنوری ۱۴۹۲ء کو کیسٹل اور اراگان کی مشترکہ فوجوں نے غرناطہ پر قبضہ کر لیا
اور اس کے فوراً ہی بعد عیسائی بادشاہ نے فرمان نافذ کر دیا کہ جزیرہ سے تمام غیر کاتھلکوں
کو نکال دیا جائے۔ اس کے بعد جن لوگوں کو عیسائیوں نے جبراً عیسائی بنایا ان میں عربی
زبان عرصہ تک بولی جاتی رہی مگر سترھویں صدی کے اوائل میں انہیں بھی ملک بدر کر کے
افریقہ بھیج دیا گیا۔

اسپین میں مسلمانوں کے اقتدار کا عہد بڑا قابل فخر عہد تھا۔ عربوں نے جزیرہ نما کی زندگی

کو مختلف طریقوں سے آراستہ اور مالا مال کیا۔ زراعت میں انہوں نے سائنٹفک آبپاشی کا
طریقہ رائج کیا اور نئی نئی فصلیں پیدا کیں جن میں ترشا لیے کے پھلوں، روئی، شکر اور چاول
کی فصلیں بھی شامل تھیں۔ لگان و مالگزاری کے نظام میں انہوں نے جو تبدیلیاں کیں اس
سے ملک کی زراعت کو زبردست ترقی ہوئی اور اسپین مالا مال ہو گیا۔ صنعتوں میں انہوں نے
سوتی کپڑے، ظروف سازی، کاغذ، ریشم اور مختلف دھاتوں کی صنعتیں جاری کیں اور
سونے چاندی اور دوسری اہم دھاتوں کی کانیں دریافت کیں۔ اون اور ریشم سازی
کے خاص مرکز قرطبہ، ملاغا اور المیرا تھے۔ ظروف سازی میں ملاغا اور ویلنشیا مشہور تھے
ہتھیار قرطبہ اور ٹولیڈو میں بنائے جاتے تھے۔ چمڑا بھی قرطبہ کا مشہور تھا۔ قالین بیزہ اور کلسینا
میں بنے جاتے تھے۔ کاغذ سازی جینوا اور ویلنشیا میں ہوتی تھی۔ یہ خاص حربی صنعت تھی۔
جسے وہ مشرق سے لائے تھے۔ اسلامی ملکوں کی سب سے بڑی صنعت ہر جگہ سوتی
کپڑے کی تھی۔ صرف ایک قرطبہ میں ۱۳ ہزار پارچہ باف تھے۔ صنعت کی طرح تجارت بھی
بڑی ترقی پر تھی اور مشرقی ممالک سے درآمد و برآمد بڑے پیمانہ پر ہوتی تھی۔ اندلسی
بندرگاہوں سے تجارتی جہاز سارے بحیرۂ روم میں اسپینی مال لے جاتے تھے۔ اسپین کی
خاص تجارتی منڈیاں شمالی افریقہ، مصر اور قسطنطنیہ تھے یہاں بازنطینی تاجران کا مال
خرید کر ہندوستان اور وسط ایشیا تک لیجا کر فروخت کرتے تھے۔ اب تک زراعت،
دستکاری اور فنون میں جو عربی الفاظ رائج ہیں۔ ان سے عربوں کے اثرات کا بخوبی اندازہ
لگایا جاسکتا ہے۔ سیاسی زندگی میں بھی ابھی تک بہت سی عربی اصطلاحات کا استعمال
جو بلدیاتی نظم و نسق اور فوجی فرہنگوں میں واضح نظر آتا ہے۔ اس سے بھی عرب روایات
کے بقا کا ثبوت ملتا ہے چودھویں صدی عیسوی کے مسیحی بادشاہ جس نے القصر کو تعمیر
کیا اس نے اپنے کارنامہ کی یادگار عبارت عربی میں کندہ کرائی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ
ساری بڑائی ہمارے آقا سلطان ڈون پیڈرو کی ہے۔ اسپین پر عیسائیوں کا دوبارہ

قبضہ ہو جانے کے بعد بھی سکوں کی شکل و صورت مدت تک عرب انداز کی رہی۔

اسپین کی عرب تہذیب کا عربی ادب میں بھی مجموعی حیثیت سے ناقابل تردید حصہ ہے اور اس نے قدیم و معیاری عربی ادب میں اس نے نہایت اہم اضافہ کیا ہے۔ اسپینی عربوں کو یونانی علوم کا ورثہ بھی ترجموں کی صورت میں مشرق ہی کی طرف سے پہنچا نہ کہ مقامی ذرائع سے۔ اور وہ بھی تخصیص کے ساتھ عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ میں۔ مقامی ماحول کے اثرات زیادہ تر رزمیہ شاعری میں محسوس کیے جہاں عربوں سے اظہار و بیان کے ایسے نئے انداز اختیار کیے کہ مشرق والے بھی ان سے نابلد تھے۔ اسپین کے اسلام کی سب سے بڑی تخلیق غالباً آرٹ اور فن تعمیر کی صورت میں نمایاں ہوئی۔ اس کی بنیاد وابتدا مشرق قریب کے عرب اور بازنطینی نمونوں پر رکھی گئی تھی۔ مگر مقامی اثرات سے مل کر بالکل ایک نئی چیز بن گئی، جو اپنی جگہ منفرد بھی تھی اور اصلی بھی۔ قرطبہ کی شہرۂ آفاق مسجد جس کی تعمیر عبدالرحمٰن اول کے زمانہ میں شروع ہوئی۔ ہسپانوی امدی طرز تعمیر کا پہلا نمونہ ہے۔ اس کے بعد اس طرز نے جیرالڈا کا مینار، سیویلے کا القصر اور غرناطہ کا الحمرا جیسے شاہکار بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیے۔

اسپینی مؤرخ اسپینی زندگی پر عرب اقتدار کے مستقل اثرات کا اعتراف کرنے میں مستعد نہیں ہیں اور برخلاف توقع بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک موجودہ اسپینی عالم سنچیز البورنز نے اپنے ایک مبسوط بلیغ آفریں مضمون میں اپنے خیال کے مطابق ان مضر نتائج کو شمار کر دیا ہے جو مغرب کے پاسبان کی حیثیت سے اسلام کی پیشقدمیوں کے مقابلہ میں نگرانی کرنے اور اسپین کو دوبارہ فتح کرنے کی طویل جدوجہد کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ ان میں پہلا ملک کی سیاسی تقسیم ہے۔ فتح اور بار بار فتح کے ہنگاموں نے جزیرہ نما کے سیاسی اتحاد کو کالعدم کر دیا۔ یہ سیاسی اتحاد رومن اقتدار کے زمانہ میں بہت ترقی پر تھا اور تھوڑی تھوڑی فتوحات کے ذریعہ تخصیص و علیحدگی کی پرانی روح پھر زندہ ہو گئی جس سے وہ

سیاسی نشوونما اور مرکزیت کے معاملہ میں باقی یورپ سے بہت پیچھے رہ گیا۔ پھر اس کے متوازی اقتصادی پسماندگی تھی جو مسیحی اسپین کے تمام توانائی اور تمام ذرائع کے باز فتح کی مہم کے لیے وقف کر دینے کی وجہ سے قدرتی طور پر اس کے حصہ میں آئی۔ اس کی وجہ سے تجارت وصنعت کی ترقی کی طرف دیکھنے والا کوئی نہ رہا۔ افریقی بحر روم کے محور سے الگ ہونے کے بعد جس پر عرب اقتدار کے زمانہ میں اس کی اقتصادی ترقی وخوش حالی کا مدار تھا۔ مغربی یورپ سے متعلق ہونے کے بعد جو اختلال پیدا ہوا اس نے اسے ترقی کی راہ میں بہت پیچھے کر دیا۔ آخر میں مضمون نگار لکھتا ہے کہ اسپین پر عربوں کے مہلک اثرات نے نہ صرف اقتصادی زندگی کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا کیں بلکہ سیاسی نظم میں بھی پیچھے کر دیا۔ اسپینی زندگی کے انتہائی آشنا و گوارا رگ وریشہ میں اس کا ہر ردعمل بہت المناک ہوا۔ باز فتح کی طویل کوششوں کی وجہ سے لوگوں میں جنگجویانہ اور مہم پسندانہ ذہنیت اور سیاسی شعور کی قلت پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے وہ اپنی توانائی شاہی توسیع کی بے نتیجہ کوششوں میں صرف کرنے لگے اور لڑائیوں کی مذہبی نوعیت کی وجہ سے پادریوں اور مذہبی لوگوں کا غیر صحت مندانہ اثر بڑھ گیا جو اسپین کی سیاسی زندگی کی لعنت ثابت ہوا۔ ایک بات جو اسپینی مورخ عام طور پر لکھتے ہیں یہ ہے کہ بلاشبہ خلافت کے زمانہ کی تہذیب اعلیٰ اور نوعی اعتبار سے متنوع تھی، اور اس وقت کے یورپ میں سب سے اعلیٰ تھی لیکن اس سے ان نقصانات کا توازن نہیں ہوا کیونکہ اس کا بیشتر حصہ عربوں کے ساتھ ہی ملک بدر کر دیا گیا اور مسیحی اسپین کی تمدنی زندگی میں بہت کم باقی رہا جس کی بنیاد زیادہ تر جنوب کے مسلمانوں کے شاندار کلچر کے بجائے شمال کی غریب وپسماندہ آزاد ریاستوں پر تھی۔

یہ صحیح ہے کہ اسپین پر مسلمانوں کا مستقل اثر مثال کے طور پر ایران کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ ایران میں تقریباً تمام تمدنی و روحانی زندگی کی اصطلاحات عربی ہیں مگر

اسپین لاطینی ہیں۔ لیکن جو لفظ باقی رہ گئے اور جن کا تعلق مادی زندگی سے ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسپین اقتصادی، معاشری اور کسی حد تک سیاسی معاملات میں عربوں کا کس قدر زیر احسان ہے۔ کلچر میں بھی عربوں کا ترکہ بہت اہم قرار پانا چاہیے۔ اسپین میں بھی اور سارے مغربی یورپ میں بھی۔ عربوں کے زمانہ میں بہت سے ملکوں کے عیسائی دلیسی اسپینیوں کے ساتھ عربی بولنے والے مسلمانوں اور یہودی استادوں سے تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں عربی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیں۔ یونانی علوم و حکمت کے بڑے حصے سے لوگ مغرب میں پہلے پہل ان عربی تراجم کے ذریعہ آشنا ہوئے جو اسپین میں عربی زبان میں پائے گئے۔ مغرب کا سب سے بڑا مرکز انتقال علوم ٹولیڈو تھا جسے ۱۰۸۵ء میں عیسائیوں نے دوبارہ فتح کیا۔ یہاں بہت سے مسلمان علماء و فضلا باقی رہے جن کے ساتھ جنوب کے اسلامی علاقہ کے ان یہودی پناہ گزینوں کی تعداد بھی شامل ہو گئی جو مغرور دار و متشدد والمحدثین نے مسلم اسپین میں سخت قسم کا مذہبی استیصال شروع کیا جس کی وجہ سے بہت سے یہودی بھاگ کر ٹولیڈو کی زیادہ معتدل فضا میں سانس لینے کے لیے آ گئے تھے۔ بارھویں اور تیرھویں صدی کے دوران میں اور خصوصاً الفانسو دی وائز آف کاسٹل اینڈ لیون (۱۲۸۲-۱۲۵۲) کے عہد میں ٹولیڈو کے مدرسہ مترجمین نے بہت سی عمدہ کتابیں تیار کیں جس میں ارسطو کی کتاب ارغنون اور اقلیدس، بطلیموس، غالن اور ہیپریشش کی کتابیں بھی شامل تھیں اور جن پر عرب علما اور ان کے جانشینوں کے لکھے ہوئے حاشیے موجود تھے۔ مترجمین زیادہ تر دو زبانیں بولنے والے دلیسیوں کے ساتھ کام کرتے تھے جن میں سے اکثر یہودی تھے جو اسپینی بھی تھے اور غیر ملکی بھی۔ انہی میں ڈومنگوں گنسڈی سلوی اور تبدیل مذہب کر لینے والے یہودی عالم جان آف سیویلے اور پطرس الفانسی اور غیر ملکیوں میں اٹلی کا جیرارڈ آف کریمونا، جرمنی کا ہرمن ڈالمیشی، باتھ ایڈلارڈ۔

مورے کارڈینل اور برطانیہ کا میمل اسکاٹ بھی شامل تھے۔

اسپینی کاشتکار اور دستکار کی ہنرمندی عربوں ہی کا چھوڑا ہوا ایک نشان ہے پھر یہ کاشتکار اور دستکار، آرٹ، فن تعمیر، موسیقی اور ادب میں جو الفاظ اس کے اظہار و بیان کے لیے استعمال کرتا ہے وہ بھی عربوں کے زمانہ کی یادگاریں اور عہد وسطیٰ کے یورپ کے فلسفہ اور سائنس میں تراجم وغیرہ سے جو ترقی و اضافہ ہوا وہ بھی عربوں ہی کا رہین منت اور انہی کا چھوڑا ہوا ورثہ ہے۔ خود عربوں میں اسپین کے عہد اسلام کی یاد شمالی افریقہ میں مدتوں قائم رہی اور ان کے یہاں اب تک بہت سے نام اندلسی ہیں، اور قرطبہ اور سیویلے کی طرح ہیں مراکش اور کاسابلانکا میں اپنے گھروں کی چابیاں دیواروں پر لٹکتی رکھتے ہیں۔ ابھی حال میں مشرقی ممالک سے جو سیاح اسپین آئے ہیں جیسے مصر سے شاعر احمد شوقی اور شام کے فاضل محمد کرد علی، انھوں نے مشرق کے عربوں کو اپنے اسپینی بھائیوں کے کارہائے عظیم یاد دلائے ہیں اور اسلامی اسپین کی یاد کو عربوں کے قومی شعور میں صحیح جگہ دینے کی کوشش کی ہے۔

قسطنطنیہ، ایک عظیم مملکت

جسٹینان اعظم اور ملکہ تھیوڈارا

گیارہ سو سال تک قسطنطنیہ مشرقی رومن امپائر کا پایۂ تخت اور ہر غیر عیسائی قوم کے خلاف ایک مستقل محاذ بنا رہا۔ صدیوں پھیلی ہوئی اس طویل مدت میں گیارہ سلسلے، گیارہ بہت سے خاندان آئے، کچھ دانشمندی اور نیکی کے ساتھ کچھ بدی اور ستمگری کے ساتھ حکمران رہے — لیکن ان فرماں رواؤں کی کمزوریاں اور معصیت کوشیاں قوم کی سالمیت اور عظمت پر اثرانداز نہ ہو سکیں، تاجدار آئے، اور گئے، لیکن شہر یاران قسطنطنیہ اپنی جگہ قائم اور ثابت رہے۔

شاید نامناسب نہ ہو اگر چند قدم پیچھے ہٹ کر تاریخ کی روشنی میں ان چہروں کو دیکھنے کی کوشش کریں جو عہد ماضی کے غبار تاریک میں بھی درخشندہ نظر آتے ہیں، اور جو حوادث اور معرکہ آرائیاں ان کی رہین منت ہیں ایک نظر ان پر بھی ڈال لیں،

قسطنطنیہ کی تاریخ میں سب سے زیادہ معروف، دیگانہ ہستی شہنشاہ جسٹینان اعظم کی گزری ہے، اس کا دور حکومت ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک محیط ہے۔

آج کا یورپ اور آج کا جہان عیسائیت بھی جو ضابطہ جسٹینیان سے وابستہ اور متاثر ہے، جسٹینیان نے قانون اور نظم مملکت کی باقاعدہ تعلیم و تربیت پا

حاصل کی، اس کا سب سے بڑا اور وقیع کارنامہ یہ ہے کہ اس نے رومن قوانین پر نظرثانی کی اور انھیں زیادہ سادہ و عام فہم کر دیا، کیونکہ یہ قوانین حد درجہ پیچیدہ تھے، اس نے کیا یہ کہ لایعنی اور بے تکے قوانین کو چھانٹ دیا، اور جنھیں باقی رکھا انھیں زیادہ سے زیادہ سادہ اور عام فہم بنا دیا، یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا جس کی قدر اس کے عہد کے لوگ تو نہ کر سکے، لیکن بعد میں آنے والی نسلوں نے اس کے اس کار اہم کی عظمت و اہمیت محسوس کی، اور اسی باعث اسے شہنشاہ عظیم و جلیل کی حیثیت سے یاد رکھا۔

جسٹینیان کا دوسرا بہت بڑا کارنامہ کلیسائے سانتا صوفیا کی تعمیر ہے، اس کا عظیم الشان گنبد آج بھی اس شہر کو چار چاند لگائے ہوئے ہے، یہ عظیم گنبد زمین سے ایک سو اسّی فٹ اونچا ہے، یہ اس کمال سے اپنے پایوں پر استوار ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جنبش میں ہے، جسٹینیان کے زمانے میں سنہرے اور جواہر گوں رنگ سے پوری داستان مسیحیت یہاں منقش تھی، یہاں کے مرمریں ستون، بہت سی خوب صورت محرابوں کو اٹھائے ہوئے تھے، ان پر سونے اور چاندی کی پچی کاری کی ہوئی تھی، جس سے ان میں عجیب طرح کی چمک پیدا ہو گئی تھی، جب کلیسائے صوفیا کی تعمیر مکمل ہو گئی تو جسٹینیان فخر اور نخوت کے ساتھ پکار اٹھا تھا:

"او سلیمانؑ، میں تجھ سے بازی لے گیا!"

اس عجیب و غریب، تعمیری کارنامے کو جسٹینیان کے ہمعصروں نے بھی خوب سراہا، دور دراز مقامات سے لوگ اس نادرۂ روزگار عمارت کی زیارت کرنے آیا کرتے تھے، مردمان شہر کا بھی ہر وقت زیارت اور عبادت کے لیے ہجوم رہتا تھا،

جسٹینیان نے مملکت کی زبان یونانی قرار دی، لاطینی فراموش کر دی گئی۔ شہر اس کا ہنر، اس کا طرزِ تعمیر، اس کے رسوم و عادات، غرب و شرق ہر دو مقامات سے ہنر، طرزِ تعمیر اور رسوم و عادات کے اعتبار سے ممتاز تھا، اس کے "آرٹ" کا طرز و معیار اور لباس بلکہ اس کا شیوۂ زندگی تک رفتہ رفتہ جداگانہ طور پر مشخص ہونے لگا یعنی بازنطینی کے نام سے یاد کیا جانے لگا، کچھ اس لیے کہ یونان قدیم سے امتیاز ہو سکے، اور کچھ اپنے مخصوص صفات کے باعث،

جسٹینیان کی شہرت جس طرح اس کے کارناموں پر مبنی ہے اسی طرح اس میں اس کی ملکہ کا بھی حصہ ہے۔ —— "ضابطہ جسٹینیان" کلیسائے سانتا صوفیا، —— اور "تھیوڈورا"۔

یہ ملکہ تھیوڈورا، جسے جسٹینان نے شریک تاج و تخت بنا لیا تھا، قسطنطنیہ کے ایک نہایت غریب گھرانے کی لڑکی تھی اس کا باپ خرس بان تھا، اور یہ ایک کاہنیوال میں مذاقیہ پارٹ کرتی تھی، یہ گالوں پر غازہ تھوپ کر، آنکھوں کے ڈھیلے اس طرح نچاتی تھی کہ دیکھنے والے بے ساختہ قہقہے لگانے اور تالیاں بجانے لگتے۔ اس کی ایک اور بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ بلا انتہا خوبصورت تھی، اس کی تصویریں اور مرقعے اب تک موجود ہیں، جن سے ہم بڑی آسانی کے ساتھ اس کے خدوخال اور اس کی زیبائی صورت اور چشم کشش انگیز اور خرام نازکی فتنہ سامانیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ان تمام خصوصیات و صفات پر بالا وہ حد درجہ ہوشمند اور زیرک بھی تھی جب نوجوان جسٹینیان نے اسے دیکھا تو پہلی ہی نظر میں دل کے ساتھ حواس بھی کھو بیٹھا، اور ایک مرتبہ دام محبت میں اسیر ہونے کے بعد پھر اپنے آپ کو سلامت نہ لے جا سکا، اور وہ خود بھی اس دام سے نکلنا کب چاہتا تھا؟ تھیوڈورا، میں

سال تک اس کی نہایت شوکت و قوت کے ساتھ اس کی شریک تاج و تخت رہی اور اس ساری مدت میں وہ اسی کا وفادار رہا، دیوانہ وار محبت کرتا تھا۔

جسٹینیان کے دور حکومت میں جہاں نعمتیں ارزاں ہوئیں، اور ہن برساوہاں بلائیں اور آفتیں بھی آئیں،

ایک زلزلے کے جھٹکے چالیس شبانہ روز قسطنطنیہ کو زیر و زبر کرتے رہے، اس حادثے میں تقریباً ڈھائی لاکھ آدمی ہلاک ہوئے،

آسمان پر کئی مرتبہ دم دار ستارے دیکھے گئے، اور مردمان شہر کہ اس زمانے میں فن نجوم سے کچھ واقفیت نہ رکھتے تھے لرز اٹھے،

جسٹینیان کے دور حکومت کے پندرھویں سال میں دنیا کے سب سے بڑے طاعون نے قسطنطنیہ میں ڈیرہ ڈال دیا، یہ طاعون گرم ممالک سے معتدل ممالک میں وارد ہوا، پھر نقل وطن، سیر و سیاحت اور جنگ کے سلسلے میں مختلف مقامات کے لوگوں کے میل جول سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچا، یہ وہ زمانہ تھا کہ نہ ٹیکہ ایجاد ہوا تھا نہ انجکشن، بیماری جنگل کی آگ کی طرح بڑھتی اور پھیلتی تھی یہ طاعون باون سال تک جاری رہا، شہر کے شہر صاف ہو گئے، قسطنطنیہ میں ہر روز ہزاروں آدمی مرنے لگے، بہت سی لاوارث، اور غریب افراد کی لاشیں دفن نہ ہو سکتیں، کوچوں اور گزرگاہوں پر پڑی رہتیں،

با ایں ہمہ قسطنطنیہ عروج اور فروغ کی منزل تک بڑھ رہا تھا!

مشرق سے سامان تجارت لادے ہوئے، قافلوں پر قافلے چلے آرہے تھے مغرب سے جہازوں کے بیڑے اسباب زندگی سے بھرپور آکر لنگر انداز ہوئے تھے، اپنے شاندار کلیساؤں اور اپنے شہنشاہوں کے فلک رفعت محلات و قصور کے باعث قسطنطنیہ دنیا کا پایہ تخت بن گیا تھا، کتب خانوں میں ادبیات

یونان قدیم زندہ و تابندہ موجود تھیں، پہاڑوں کے اس مثلث میں، یہاں کی مرطوب آب و ہوا میں، ایک ایسی قوم پل رہی تھی جو زندگی کی امنگ سے معمور تھی، جس نے یونانی تمدن کو دوام بخشا۔

یہ شہنشاہ بڑے جابر اور مستبد تھے، ان میں کا بہترین بادشاہ بھی ستمگری اور سنگ دلی سے خالی نہ تھا، لیکن مردمانِ شہر کا تحمل، جذبہ محکم، اور استقلال ہر مشکل سے انھیں سلامت نکال لے جاتا تھا، جیسا کہ قسطنطین اعظم نے اس شہر کو دیکھ کر پیش گوئی کی تھی، یہ شہر اپنے وقوع کے اعتبار سے دشمن کی مدافعت کرنے کی پوری اہلیت رکھتا تھا، خواہ حملہ کسی طرف سے ہو، اس پہ ہر طرف سے حملے ہوئے، "تاتار، بلغار، ہن، گوتھ، سلاویکی، سب ہی نے اس پر حملہ کیا، لیکن اس نے سب کے حملوں کو رد کر دیا، یہی نہیں بلکہ مزید یہ کہ، مردمانِ شہر ایک جنگ جو، حملہ آور، اور فاتح قوم میں تبدیل ہو گئے۔

اس حالت میں کہ قسطنطنیہ روز بروز ثروت مند تر، اور زیادہ سے زیادہ طاقتور ہوتا جا رہا تھا، مغربی یورپ کی جمعیت ٹوٹتی جا رہی تھی، اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا، بربروں نے یورپ اور اٹلی کو پامال کر ڈالا تھا، شہر روم، ایک معمولی سا شہر رہ گیا، ایک مختصر مدت ایسی گزری کہ شہر روم میں ایک شخص بھی زندہ باقی نہیں رہ گیا، بس بھیڑئیے اور چرندے تھے جو زندہ بچ سکے تھے، ایک بربری فاتح نے مفتوح آدمیوں کی متوقع سرکشی کے پیشِ نظر ساری آبادی کو جلا وطن کر دیا۔ !

عہدِ ظلمہ شروع ہو گیا!! جہالت اور نادانی کے پردے اس متمدن مملکت پر پڑ گئے، جو کسی زمانے میں طاقتور ترین رومن امپائر تھی، لیکن اس زمانے میں بھی قسطنطنیہ میں علم کی شمع روشن تھی۔ اس مضبوط

شہر کے کلیساؤں میں دینِ مسیحی اس طرح فروزاں تھا، جیسے شبِ تاریک میں روشن چراغ،!

(ترجمہ از (THE FALL OF CONSENTINOLE

مؤلفات فارابی!

تفصیلات —— نقد و نظر!

فارابی کی اکثر کتابیں ضائع ہو گئیں، بہت کم ہیں جو موجود ہیں، اس کی مؤلفات اور تصنیفات کی صحیح اور مکمل تاریخ نہیں بیان کی جا سکتی، کتب تراجم کا جہاں تک تعلق ہے ان میں بھی فارابی کی مؤلفات و تصنیفات پر اتفاق آرا نظر نہیں آتا،

ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ اکثر مورخین نے کتب فارابی کے احصار کی کوشش کی ہے، اس کی روایت اور تاریخ کو اپنی اساس گفتگو بنا کر ہم فارابی کی تالیفات کا خاکہ پیش کرتے ہیں، پھر ہم بعض دوسرے پہلوؤں پر گفتگو کریں گے،

. . . .

تصنیف علوم کے سلسلہ میں فارابی کا مسلک اور مذہب کیا تھا، اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ نکلتا ہے :-

۱- تحصیل السعادۃ -

۲- احصاء العلوم -

۳- ما ینبغی ان یقدم قبل تعلم الفلسفہ -

اور اس کی روشنی میں اگر اندازہ کیا جائے، تو فارابی کے مؤلفات کے عنوانات

حسب ذیل قرار دیے جا سکتے ہیں:۔

۱۔ کتب منطق۔

۲۔ علوم تعالیم۔

۳۔ علوم طبیعی۔

۴۔ علم الٰہی۔

۵۔ علم مدنی۔

۶۔ فلاسفہ یونان کے خیالات، نظریات اور مولفات پر فارابی کے شروح و تعلیمات،

۷۔ رسائل متفرقہ۔

اب ہم ان میں سے ہر ہر عنوان پر الگ الگ گفتگو کریں گے۔

۱۔ کتب منطق!۔ فارابی کے نزدیک منطق کی آٹھ قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ مقولات، یا ——— قاطیغوریاس

۲۔ عبارت، یا ——— باریمیناس

۳۔ قیاس، یا ——— انالوطیقا اولی

۴۔ برہان، یا ——— انالوطیقا ثانی

۵۔ جدل، یا ——— طوبیقا

۶۔ مغالطہ یا ——— سوفسطیقا

۷۔ خطابت یا ——— ریطوریقا

۸۔ شعر یا ——— بوطیقا

اب ہم اس منہج کو پیش کرتے ہیں جو فارابی نے اپنی کتب منطق کی ترتیب میں

ملحوظ رکھا ہے۔ پھر ہم ان کتابوں کو پیش کریں گے جو منطق کی تمہید و تعارف کے طور پر معرض وجود میں آئیں، پھر ہم منطق کے اجزائے ثمانیہ پر بات چیت کریں گے۔ بعد ازاں ہم ان مجامیع کو زیر بحث لائیں گے جو منطق پر معمولی طور پہ حاوی ہیں۔

کتب تمہید و تعارف!

۱۔۔۔۔ شرح ایساغوجی" اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ اسکوریال میں موجود ہے کتاب کا نمبر ۶۱۲ ہے، اس پر ابن | جبر کی تعلیق ہے جو عبرانی زبان میں ہے، نیز لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ بھی موجود ہے، لاطینی کی اصل کتب خانہ میونخ (میونخ۔جرمنی) میں موجود ہے، جس کا نمبر 36-1-210 ہے۔

۲۔۔۔۔ املاء فی معانی ایساغوجی

۳۔۔۔۔ کتاب فی الالفاظ۔

۴۔۔۔۔ کتاب فی صناعۃ الکتابت۔

۵۔۔۔۔ کتاب فی الالفاظ والحروف۔

۶۔۔۔۔ کلام مما جمعہ من اقاویل النبی لیشیر الی صناعۃ المنطق

۷۔۔۔۔ کتاب التوطئۃ فی المنطق ۔۔۔۔۔۔ اس کتاب کے عبری زبان میں دو ترجمے ہیں جن کا ذکر STEINSHNEIDER نے کیا ہے۔ ان میں سے ایک کا نمبر CODBISLECHIS NO-7 ہے عبری زبان میں اس کا نام "رسالۃ ابی نصر الفارابی فی مقدمۃ کتب المنطق" ہے۔ اور دوسرا کتب خانہ میونخ میں ہے جس کا ۳۰۷ ہے اور جس کا عنوان "رسالۃ ابی الشیخ الفارابی عن التوطئۃ فی علم المنطق" ہے۔

۸۔۔۔۔ فصول یحتاج الیہا فی صناعۃ المنطق ۔۔۔۔۔۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ

جو عربی زبان اور عبری خط میں ہے۔ کتب خانہ پیرس میں موجود ہے اس کا نمبر ۳۰۳ ہے۔ اس کے عبری زبان میں متعدد ترجمے بھی موجود ہیں، ان میں سے موسیٰ بن لادخیلس کی طرف ایک منسوب ہے (موسیٰ بن لادخیلس (LADSCHIS) یہ شخص یہودی تھا، اور فلسفہ سے اسے بڑا غیر معمولی شغف تھا، دوسرا نسخہ صموئیل بن طبون کی طرف منسوب ہے اور تیسرا، شالوم بن ایوب، کی طرف منسوب ہے،

ب ۔ مقولات !

۹ ـــــ کتاب شرح المقولات لارسطو علی جھۃ التعلیق ـــــ اس کتاب کا بھی ایک قلمی نسخہ کتب خانہ اسکوریال میں موجود ہے جس کا نمبر ۶۱۲ ہے میونخ میں اس کا عبری ترجمہ بھی موجود ہے جس کا نمبر ۳۰۷ ہے۔

۱۰ ـــــ شرح المواضع المستغلقۃ من کتاب قاطیغوریاس لارسطاطالیس ـــــ ـــــ اس کتاب کے بارے میں ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ یہ "تعلیقات حواشی" کے نام سے بھی مشہور ہے اس کا عبری ترجمہ بھی، کتب خانہ میونخ میں موجود ہے، جس کا نمبر ۳۰۷ ہے، اس کتاب کے بارے میں STEINSCHNEIDER کا بیان ہے کہ اس کا مقامہ رابعہ ناقص ہے، یہ نسخہ کتب خانہ پیرس میں موجود ہے۔

۱۱ ـــــ کتاب فی غرض المقولات۔

ج ۔ عبارت

۱۲ شرح کتاب باریمینیاس لارسطو علی جھۃ التعلیق ـــــ اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ اسکوریال میں موجود ہے جس کا نمبر ۶۱۲

ہے۔

اس کتاب کے بارے میں STEINSCHNEIDER کا بیان ہے کہ ابراہیم بن اجذرور یہودی مولف نے فارابی کے بارے میں کہا ہے کہ فارابی نے اپنی کتاب "العبارت" میں قیاس سے متعلق ارسطو کے بعض نظریات کا ذکر کیا ہے نیز ابن میمون نے فارابی کے آرا کا اقتباس اس باب سے متعلق نقل کیا ہے، اور اپنی کتاب "المجموع فی المنطق" کے تیرھویں باب میں اس کا ذکر کیا ہے نیز ابن رشد نے فارابی کے کلام کا حوالہ عبری مجموعہ کی تعلیق میں دیا ہے۔ یہ نسخہ بھی کتب خانہ میونخ میں موجود ہے اس کا نمبر ۳۶ J0/1 B1-2888289OND ہے۔

۱۳ــــ مختصر کتاب باریمیناس لارسطو!

د۔ قیاس!

STEINSCHNEIDER کا کہنا ہے کہ فارابی "قیاس" کے عنوان پر بہت زیادہ متوجہ تھا، اس عنوان ـــــ قیاس ـــــ کے مبحث پر اس نے بڑی بیباکی سے اپنی آزادی رائے کا ثبوت دیا ہے، اور معلم کے افکار و خیالات سے بکثرت اختلاف فکر و رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس موضوع پر فارابی نے متعدد کتابیں لکھی ہیں جن سے متاخرین نے بہت فائدہ اٹھایا۔ قیاس کے موضوع پر فارابی نے جو کتابیں تحریر کی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۴ــــ کتاب القیاس الصغیر ـــــ اس کتاب کے بارے میں ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اس نے بچشم خود خاص فارابی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دیکھا ہے۔

۱۵ــــ کتاب المختصر الاوسط فی القیاس ـــــ

۱۶ ــــ کتاب القیاس لارسطو ـــــ یہ درحقیقت ارسطو کے خیالات و نظریات کی تشریح و شرح ہے۔

۱۷ ــــ کتاب المغالطین ـــــ اس کتاب کا عبری ترجمہ کتب خانہ میونخ میں موجود ہے اس کا نمبر ۳۶۲ ہے اسکا ایک نسخہ آکسفورڈ کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے اسکا نمبر ۲۰۴ ہے اس کا تیسرا نسخہ ویانا کے کتب خانہ میں ہے اس کا نمبر ۱۳ ہے اس کا چوتھا نسخہ کتب خانہ پیرس میں ہے اس کا نمبر ۳۳۳ ہے۔

۱۸ ــــ تعلیق علی کتاب القیاس ـــــ ابن ابی اصیبعہ نے اس کتاب کا نام ایک دوسری جگہ "تعلیقات انالوطیقا الاولی لارسطو" بھی لکھا ہے، نام الگ الگ ہیں لیکن کتاب ایک ہی ہے، اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ اسکوریال میں موجود ہے، اس کا نمبر ۶۱۲ ہے، اس پر ابن باجہ نے شرح بھی لکھی ہے جس کا نام "ارتیاض فی التحلیل" ہے۔

۱۹ ــــ کتاب شروط القیاس، ـــــ اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ پیرس میں موجود ہے، اس کا نمبر ۳۰۳ ہے "شرائط قیاس" کے عنوان کے سلسلہ میں جو کتابیں مذکور ہیں اُن میں یہ کتاب بھی ہے، یہ کتاب عربی زبان میں ہے، حروف عبری ہیں اس کا عبری زبان میں ترجمہ بھی موجود ہے، یہ ترجمہ بھی کتب خانہ اسکوریال میں موجود ہے، اس کا نمبر ۶۲۵ ہے۔

۲۰ ــــ کتاب فی المقدمات المختلطة من وجودی وضروری۔

۲۱ ــــ کتاب الکتاب المقدمات۔

۲۲ ــــ "احصار القضایا والقیاسات التی تستعمل فی جمیع الصنائع القیاسیة"

۲۳ ــــ کتاب اصناف الاشیاء البسیطة التی تنقسم الیها القضایا فی جمیع الصناعات

القیاسیہ"

لا۔ برہان

۲۴۔ "کتاب البرہان" —— اس کتاب کا ذکر بیہقی اور قفطی نے بھی کیا ہے، نیز حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

۲۵۔ شرح کتاب البرہان —— اس کتاب کی تعریف میں ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے کہ فارابی نے یہ کتاب ابراہیم بن عدی کو املا کرائی تھی یہ ابراہیم فارابی کا بڑا عزیز شاگرد تھا، یہ حلب کا رہنے والا تھا، وہیں رہتا تھا، ابوذکریا یحییٰ بن عدی المنطقی بھی فارابی کا اچھا شاگرد تھا۔

۲۶۔ کتاب شرائط البرہان۔

۲۷۔ کتاب القول فی شرائط الیقین —— یہ کتاب عربی زبان میں ہے، حروف عبری ہیں، کتب خانہ پیرس میں موجود ہے، اس کا نمبر ۳۰۳ ہے، ساتھ ہی ساتھ عبری کا ترجمہ بھی موجود ہے۔

و۔ جدل!

۲۸۔ کتاب الجدل، —— اس کا عبری ترجمہ کتب خانہ ویانا میں موجود ہے، جو نسخہ وہاں موجود ہے وہ قلمی ہے، اس کی زبان عربی ہے حروف عبری ہیں۔ اس کا نمبر ۳ ہے۔

۲۹۔ شرح المقالات الثانیۃ والثالثۃ من کتاب الجدل لارسطو۔

۳۰۔ شرح المستغلق من المصادرۃ الاولیٰ والثانیۃ۔

۳۱۔ کتاب المواضع المنتزعۃ من المقالۃ الثامنۃ فی الجدل۔

۳۲۔ کتاب الرد علی ابن الراوندی فی ادب الجدل۔

ز ــ مغالطہ!

۳۳ ــ کتاب المواضع المغلطة۔

۳۴ ــ شرح کتاب المغالطة لارسطو۔

۳۵ ــ کتاب مختصر فی السفسطة ــــــ اس کتاب پر عماد الدین مراکشی کی شرح بھی موجود ہے اسکا عبری ترجمہ بھی کتب خانہ اسکوریال میں موجود ہے اسکا نمبر ۹۴۳ ــ ۳۶ - S ہے اس کا دوسرا نسخہ کتب خانہ PARMA DEROSSI میں موجود ہے، اس کا نمبر S-56 ۹۰ ہے۔ اس کا تیسرا نسخہ کتب خانہ ویانا میں موجود ہے اس کا نمبر WIEN OXD-S-30-54 ہے۔ اس کا چوتھا نسخہ کتب خانہ میونخ میں ہے اس کا نمبر S-94-56 ہے۔

۳۶ ــ کتاب المغالطین ــــــ اس کتاب کا عبری ترجمہ کتب خانہ میونخ میں موجود ہے اس کا نمبر ۱۰۱ ہے۔

ح ــ خطابت

۳۷ ــ صدر لکتاب الخطابة ــــــ اس کا لاطینی ترجمہ BOD LEIANA میں موجود ہے اس کا نمبر ۵۱ ہے۔

اس کتاب کے بارے میں STEINSCHNEIDER کا قول ہے کہ ابن رشد نے اس کتاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، فروع فلسفہ میں مؤلفات فارابی پر وہ بہت زیادہ اعتماد فارابی پر کرتا ہے، اس کی شہرت اور قابلیت میں بہت زیادہ دخل فارابی کے مؤلفات کو حاصل ہے۔

۳۸ ــ شرح کتاب الخطابة لارسطاطالیس۔

۳۹ ــ کتاب فی الخطابة۔

اس کتاب کے بارے میں ابن ابی اصیبعہ کا قول ہے کہ "یہ بیس جلدوں میں بہت طویل اور ضخیم کتاب ہے!"

ط۔ شعر!

۴۰ ــــ کلام لہ فی الشعر والقوافی۔

ی ــ المجامیع فی المنطق!

۴۱ ــــ کتاب المختصر الکبیر فی المنطق،

۴۲ ــــ کتاب المختصر الصغیر فی المنطق علی طریقۃ المتکلمین ــــ اس کتاب کے بارے میں STEC NSCH NEIDER کہتا ہے کہ ابن رشد نے طبیعات کی پہلی کتاب میں اس کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ابونصر فارابی کی کتاب ہے ایک مشہور جرمن مستشرق کہتا ہے کہ منطق کی ان دونوں کتابوں کی ــــ الکبیر والصغیر ــــ فارابی کی طرف نسبت جیسا ابن رشد نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے میرے خیال میں مشکوک ہے، کم از کم اس نام کی کتابیں فارابی نے نہیں لکھیں۔

۴۳ ــــ "کتاب المختصر الاوسط فی المنطق" ــــ اس کتاب کا ذکر بیہقی نے بھی کیا ہے، نیز اس کتاب کے بارے میں NSCHNEIERSTEI نے لکھا ہے کہ یورپ کے کتب خانوں میں منطق سے متعلق فارابی کی تمام کتابیں موجود نہیں ہیں، اور اگرچہ پیرس کے کتب خانوں میں منطق کے اوپر عبری خط اور عربی زبان میں فارابی کی دو کتابیں موجود ہیں، لیکن وہ کامل نہیں ہیں، ناقص ہیں، کیونکہ یہ دونوں کتابیں صرف ایسا غوجی مقولات، عبارت، اور قیاس پر مشتمل ہیں۔

۲ - علوم تعالیم!

فارابی نے علوم تعالیم کی حسب ذیل سات قسمیں کی ہیں:۔

۱- علم العدد۔

۲- علم الهندسہ۔

۳- علم المناظر۔

۴- علم النجوم

۵- علم الموسیقی۔

۶- علم الاثقال۔

۷- علم الحیل

اب ہم مذکورہ ترتیب کے ماتحت الگ الگ ان علوم پر فارابی کی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ا - علم العدد

اس علم سے متعلق سعی بسیار کے باوجود فارابی کی کوئی کتاب کسی کتب خانہ میں دستیاب نہیں ہو سکی۔

ب - علم الهندسہ!

۴۴ ---- کتاب المدخل الی الهندسة الوہمیة مختصراً ---------- !

۴۵ کتاب شرح المستغلق من مصادرة المقالة الاولی والخامسة من اوقلیدس

---- اس کتاب کا عبری ترجمہ موسیٰ ابن طبون نے ۱۲۷۰ء میں کیا تھا، یہ ترجمہ کتب خانہ میونخ میں موجود ہے اس کا نمبر ۹۶ ہے۔

ج - علم المناظر!

اس عنوان سے متعلق بھی فارابی کی کوئی کتاب یورپ یا مشرق کے

کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے، نہ دوسری کتابوں کے اندر اس سلسلہ میں فارابی کی کسی کتاب کا ذکر نظر آیا۔

د۔ علم النجوم!

فارابی کہتا ہے، اس علم کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ پہلی قسم احکام نجوم کے علم سے متعلق ہے، یہ علم دلالات کواکب پر مشتمل ہے، جس کی رو سے ماضی، حال اور مستقبل کے امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۲۔ اس علم کو فارابی علوم تعلیمی میں شمار نہیں کرتا، بلکہ وہ اسے ایک قسم کی محنت و مشق اور اعضائی کیفیت قرار دیتا ہے، جیسے خواب وغیرہ۔

۴۶ ۔۔۔ ”کتاب النکت فیما یصح ومالا یصح فی النجوم!“ ۔۔۔

یہ ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے جسے ”ویتریشی“ نے فارابی کے مجموعۂ رسائل میں شامل کر کے شائع کیا ہے جس کا نام ”الثمرۃ المرضیۃ فی بعض الرسالات الفارابیۃ“ ہے، یہ مجموعۂ رسائل لیڈن سے ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا ہے، اور یہ پوری کتاب انفرادی حیثیت سے ۱۳۴۰ھ میں ریاست حیدر آباد (دکن) سے شائع ہوئی ہے وہاں سے یہ ”فضیلۃ العلوم والصناعات“ کا نام لے کر اشاعت پذیر ہوئی ہے، نیز ایک دوسری کتاب ”دعوت الاطبا لابن بطلان“ بھی ”مختصر الفصول الفلسفیۃ للفارابی“ کے نام سے شائع ہوئی ہے، یہ اس نسخہ کی مدد سے چھاپی گئی ہے جسے رشید الدین بن خلیفہ نے مرتب کیا تھا، جس کا شمار چھٹی صدی ہجری کے حکماء میں ہوتا ہے، اس کو بعض

کتاب نے "نکت الفارابی فیما یصح و ما لا یصح من احکام النجوم" کے نام سے شائع کیا ہے، پھر ناشر کو یہ تنبہ ہو گیا کہ "مختصر الفصول الفلسفیۃ" اور یہ ایک ہیں۔

۷۸ ـــــ "کتاب الغنیۃ الآمال فی صناعۃ الرمل و تقویم الاشکال" یہی کتاب ایک دوسرے نام "الحیل الروحانیۃ والاطیار الطبعیۃ فی دقائق الاشکال الہندسیہ" کے نام سے بھی مشہور و معروف ہے۔

یہ کتاب فارابی کی طرف منسوب ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ اوسال میں بھی موجود ہے جو کہا جاتا ہے کہ خود فارابی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اس کا نمبر ۲۱۰ ہے۔ لیکن بروکلمان کو اس میں شک ہے کہ یہ فارابی کی کتاب ہے اور ہم اس شک کے مؤید ہیں، اس لیے کہ اس کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب تنجیم کو بطور علوم صناعۃ کے تسلیم کرتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فارابی نے اس اصول کو کبھی تسلیم نہیں کیا بلکہ وہ کہتا ہے کہ ـــــــ "امور عالم اور احوال انسان کثیر یعنی مختلف ہیں، ان ہی میں سے خیر بھی ہے اور شر بھی، محبوب و پسندیدہ بھی، اور مکروہ و نامرغوب بھی، جمیل بھی اور قبیح بھی، نافع بھی اور مضر بھی، یا مثلاً حرکات بہائم، اصوات طیور، کلمات مسطورہ سہام منشورہ، یا حرکات نجوم، یا ایسی ہی دوسری چیزیں، اور یہ سب بہت کثیر ہیں یعنی باہمی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان کے احوال و مقامات ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہیں۔

۲۔ اور دوسرا علم جو ہے، وہ علم نجوم ہے، جو تعلیمی ہے ـــــــ یہ علم اجسام سماویہ کے جو اثرات زمین پر مترتب ہوتے ہیں ان سے

بحث کرتا ہے۔ مثلاً ——— اجسام سماویہ کے اشکال، اجرام سماویہ کی تصاویر، ان میں ایک کی دوسرے سے نسبت یا مقادیر ابعاد جو بعض کی بعض میں پائی جاتی ہے، یا مختلف بروج میں اجسام سماویہ کی حرکات اور ان حرکات کے ملحقات وغیرہ۔

۴۸ ——— بطلیموس کی کتاب "مجسطی" کی شرح۔

۵۔ علم موسیقی

۴۹ "کتاب الموسیقی الکبیر" ——— ابن ابی اصیبعہ کا قول ہے کہ فارابی نے یہ کتاب وزیر ابو جعفر محمد بن قاسم الکرخی کے لیے لکھی تھی، یہ کتاب لیڈن کے کتب خانہ میں موجود ہے اس کا نمبر ۱۴۲۳ ہے حال میں اس کا ترجمہ بھی فرانسیسی زبان میں شائع ہو چکا ہے، مترجم کا نام "روڈلف ڈیرلانجیہ" ہے۔

۵۰ ——— "کتاب علم الموسیقی" ——— اس کا ایک نسخہ کتب خانہ اسکوریال میں موجود ہے جس کا نمبر ۹۰۴ ہے مکتبہ تیمور میں جو کتاب موسیقی پر فارابی کی طرف سے منسوب ہے میرے خیال میں وہ انتساب غلط ہے ہماری ترجیحی رائے یہ ہے کہ یہ کتاب فارابی کی نہیں ہے، اس لیے کہ ایک مقام پر کتاب کے مصنف نے شیخ الرئیس یعنی ابن سینا سے روایت کی ہے (ملاحظہ ہو کتاب کا صفحہ ۲۰۹) اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مصنف ابن سینا سے مستفید ہوا اور اس کے بعد منظر عام پر نمودار ہوا، ظاہر ہے اس صورت میں فارابی مصنف نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ زمانی اعتبار سے بھی ابن سینا پر تقدم رکھتا ہے اور علمی اعتبار سے بھی اور ابن سینا نے خود اپنے مصنفات میں اعتراف کیا

ہے کہ وہ فارابی سے مستفید ہوا ہے اور اہل علم کی تو یہاں تک رائے ہے کہ ابن سینا کا علم ماخوذ ہی فارابی سے تھا، فارابی کے اجمال کو اس نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے، بس یہی اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

۵۱ ــــ "کتاب المدخل فی تعلیم الموسیقی" یہ کتاب آستانہ میں راغب پاشا کی لائبریری میں موجود ہے اس کا نمبر ۸۷۹ ہے۔

۵۲ ــــ "کتاب فی احصاء الایقاع"

۵۳ ــــ "کلام لافی النقرۃ مضافاً الی الایقاع!"

س۔ علم الاثقال!

اس عنوان کے تحت فارابی کی کوئی کتاب ہماری نظر سے اب تک نہیں گزری۔

ن۔ علم الحیل!

۵۴ ــــ "کتاب فی الحیل والنوامیس ــــ!"

۳۔ العلم الطبیعی!

۵۵ ــــ "شرح کتاب السماع الطبیعی لارسطاطالیس!"

۵۶ ــــ "کتاب فی موجودات المتغیرۃ" ــــ جو "الکلام الطبیعی" کے نام سے بھی منسوب ہے۔

۵۷ ــــ "شرح کتاب السماء العالم" ــــ یہ کتاب بھی ارسطو کی کتاب کی شرح و تفصیل پر مشتمل ہے۔

۵۸ ــــ "کلام فی الجزء مالا یتجزأ!"

۵۹ ــــ "کلام فی الحیز والمقدار"

۶۰ ——— "کلام لہ فی الخلاء"

۶۱ ——— "شرح کتاب الآثار العلویۃ" ——— یہ کتاب بھی ارسطو کی کتاب کی شرح و تفصیل ہے، یہ کتاب "کتاب فی التاثیرات العلویۃ" کے نام سے بھی معروف ہے!

۶۲ ——— "کلام فی ان حرکۃ الفلک دائمۃ"

۶۳ ——— "کلام فی اعضاء الحیوان ——— !"

۶۴ ——— "مقالہ فی وجوب صناعۃ الکیمیا والرد علیٰ مبطلیہا!" ——— اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ لیڈن میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۲۷۰ ہے۔

۴۔ العلم الالٰہی!

۶۵ ——— "کتاب لہ فی الرؤیا"

۶۶ ——— "شرح مقالۃ الاسکندر الافرودیسی فی النفس!" ——— یہ نسخہ کتب خانہ "آکسفورڈ" سے شائع ہوا ہے، اس کا نمبر ۸۹ ہے یہ نسخہ کتب خانہ برلن (جرمنی) میں بھی موجود ہے، وہاں اس کا نمبر ۵۱۷۸ ہے۔

۶۷ ——— "کتاب فی العقل" ——— یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے،

۶۸ ——— "کتاب فی العقل" ——— یہ ایک ضخیم کتاب، اس کا لاطینی زبان میں تین مرتبہ ترجمہ ہو چکا ہے، ان ترجموں میں سب سے بہتر اور کامل ترجمہ وہ ہے جسے کتب خانہ برسلو نے شائع کیا ہے لیکن مترجم کا نام درج نہیں، وہ گمنام کا گمنام ہی رہا، دوسرا ترجمہ مکمل ترجمہ نہیں، صرف تلخیصی ترجمہ ہے، تلخیص کرنے والے کا نام

JEDAJAPRENNINI سے ہے، یہ ایک یہودی شخص تھا جسے فلسفہ سے بڑی دلچسپی تھی، اور اس علم میں اس نے بڑا مرتبہ حاصل کر لیا تھا، یہ بارھویں صدی عیسوی کے دور آخر کا شخص تھا، اور تیسرا ترجمہ کالونیموس نے کیا تھا جو ۱۳۱۴ء کے لگ بھگ شائع ہوا تھا، اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ بلیبزرج میں ہے جس کا نمبر ۳۹ ہے۔

اس کتاب کی تعلیق ایک مشہور یہودی ماہر فلسفہ ہلال بن صموئیل، اور آئزک (اسحاق) نے کی ہے، ان دونوں کا شمار تیرہویں صدی عیسوی کے فلاسفروں میں ہوتا ہے، نیز اس کے علاوہ لیفی بن جرشون نے بھی تعلیق کی جو چودھویں صدی عیسوی کا فلسفی تھا۔ اس کے علاوہ ابراہام (ابراہیم) بیاجو، اور یوسف بن شنتوب نے بھی یہ کام کیا، یہ دونوں پندرہویں صدی عیسوی کے دور آخر کے لوگ تھے۔

اس کے علاوہ ایک اور لاطینی ترجمہ بھی قابل ذکر ہے یہ پروفیسر ماسینیون کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کی خصوصیت خاصہ یہ ہے کہ لاطینی عبارت کے ساتھ ہی ساتھ عربی عبارت بھی موجود ہے پھر موصوف نے اس کا ترجمہ فرنچ میں بھی کیا، اس پر تعلیق لکھنے والے پروفیسر جلین ہیں ترجمہ

ARCHIUES D. HIS-TDRINE - DOCTRIAL

ETLITERAIRE DO MOYEN AGE

کے نام سے موجود ہے؟ اس کے علاوہ "دیتریصی" نے فارابی کا جو مجموعۂ رسائل، ــــــــ "الثمرة المرضية فى بعض الرسالات الفارابية" کے نام سے شائع کیا ہے، اس میں بھی "عقل" کے عنوان سے فارابی کا

ایک رسالہ شامل کر دیا ہے۔

۶۹ ـــ "کتاب عیون المسائل" ـــ اس کے بارے میں ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے کہ اس کتاب میں ۷۰ مسئلے ہیں جو ارسطو کی رائے کے بارے میں ہیں، یہ کتاب لیڈن سے ۱۸۹۵ء میں "عیون المسائل فی المنطق و مبادی الفلسفۃ" کے نام سے شائع ہوئی ہے، یہ آخری نسخہ مصر سے بھی شائع ہوا تھا جسے مکتبۃ سلفیہ نے شائع کیا تھا لیکن اس میں صرف ۴۲ مسائل ہیں۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ دارالکتب المالکیۃ میں بھی ہے جس کا نمبر ۱۴۲ ہے، یہ کتاب "حکمت" کے رجسٹر میں ہے یہ قلمی نسخہ اس نسخہ سے حرف بہ حرف ملتا ہے جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

۷۰ ـــ "رسالۃ فی اثبات المفارقات" ـــ یہ کتاب ریاست حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ سنہ اشاعت ۱۳۴۵ھ ہے اس کا ایک نسخہ دارالکتب المصریۃ میں موجود ہے، جس کا نمبر ۲۰۴ ہے یہ بھی "حکمت" کے رجسٹر میں موجود ہے۔

۷۱ ـــ "کلام فی العلم الالٰہی" اس کتاب کا ایک نسخہ مکتبۃ تیمور پاشا میں موجود ہے، جس کا نمبر ۱۱۱ ہے، یہ بھی حکمت کے ذیل میں درج ہے

۷۲ ـــ "کتاب الرد علی الرازی فی العلم الالٰہی" ـــ !

۷۳ ـــ "کتاب الواحد والوحدۃ"

۷۴ ـــ "مقالۃ فی غرض ارسطاطالیس فی کل مقالۃ من کتابہ الموسوم بالحروف وہو تحقیق غرضہ فیما بعد الطبیعۃ" ـــ اس کتاب کا ترجمہ عبری میں بھی موجود ہے، عبری ترجمہ کا نام "مقالۃ ابی نصر فی غرض ارسطو

فی کتاب مابعد الطبیعۃ" ہے، یہ نسخہ کتب خانہ آکسفورڈ (لندن)
میں موجود ہے، اس کا نمبر ۱ ہے، اس کا ایک دوسرا نسخہ کتب خانہ "
لیبزج میں بھی ہے جس کا نمبر ۱۴ ہے، اس کا ایک تیسرا نسخہ کتب خانہ
پیرس میں ہے جس کا نمبر ۹۸۴ — $91\frac{3}{5}$ ہے، اس کا چوتھا نسخہ کتب
خانہ لیڈن میں ہے جس کا نمبر ۱۳۹ ہے —— یہ کتاب "الابانۃ
عن غرض ارسطو فی کتابہ مابعد الطبیعۃ" کے نام سے فارابی کے
مجموعہ رسائل موسوم بہ "الثمرۃ المرضیۃ فی رسائل الفارابیۃ" کے
ساتھ شائع ہوتی ہے، ریاست حیدر آباد دکن نے بھی اسی کتاب
کو ایک دوسرے نام "کتاب فی اغراض مابعد الطبیعۃ" سے شائع کیا
ہے۔

۷۵ —— "کتاب فی القوۃ المتناھیۃ وغیرہ المتناھیۃ"

۵ - العلم المدنی!

اس عنوان کے ماتحت ہم سب سے پہلے، "اخلاق" کو لیتے ہیں! ——

۱ - الاخلاق

۷۶ —— "کتاب السیرۃ الفاضلۃ"

۷۷ —— "صدر کتاب الاخلاق لارسطو!" —— اس کتاب کے بارے
میں STEIN SCHNEIDER کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب
کا ذکر متعدد یہود فلاسفر، مثلاً —— ابن میمون، صمویل
بن طبون، یوسف بن شنتوب، اور واقید بن یہودا کی کتابوں میں دیکھ
کر عبرانی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔

۷۸ —— "رسالۃ فی التنبیہ علی سبیل السعادۃ" —— اس کا ایک عبری ترجمہ

برٹش میوزیم میں موجود ہے، جس کا نمبر ۴۲۵ ہے، یہ کتاب ریاست حیدرآباد دکن سے ۱۳۴۶ھ میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۷۹۔ "رسالۃ فی التنبیہ علی اسباب السعادۃ" ــــــ اس کا بھی عبری میں ترجمہ ہو چکا ہے، یہ نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے اس کا نمبر ۷۷ ہے۔

۸۰۔ "کتاب تحصیل السعادۃ" ــــــ یہ کتاب ریاست حیدرآباد دکن سے ۱۳۴۵ھ میں بھی طبع ہو چکی ہے، اس کا ایک نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے، اس کا نمبر ۱۰۶ ہے، حکمت کے عنوان کے ماتحت یہ کتاب درج رجسٹر ہے۔

۸۱۔ "رسالۃ فی السعادۃ الموجودۃ" ــــــ اس کا ایک قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۲ ہے یہ بھی "حکمت" کے عنوان کے ماتحت درج رجسٹر ہے اس کی تصنیف بھی فارابی کی طرف منسوب ہے، رسالہ تحصیل سعادت دراصل یہی ہے۔

۸۲۔ "کتاب جوامع السیر المرضیہ فی اقتناء الفضائل الانسیۃ" ــــــ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ لیڈن میں موجود ہے اس کا نمبر ۱۳۱ ہے، اس کتاب کی تصنیف بھی فارابی کی طرف منسوب ہے لیکن ہم نے مؤلفین کے تذکروں میں کہیں بھی اس نام کی کوئی کتاب فارابی کے نام سے نہیں پائی۔ ممکن ہے یہ وہ کتاب ہو جو "السیرۃ الفاضلۃ" کے نام سے مشہور ہے بظاہر قرین قیاس یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

ب ۔ علم السیاست

۸۳۔ "کتاب فی آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ" ــــــ یہ کتاب فلسفۂ عامہ

پر مشتمل ہے، لیکن یہاں اس کتاب کا ذکر ہم نے اس لیے کیا کہ
اس کی شہرت آرائے سیاست ہی کے لحاظ سے ہے۔

ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ فارابی نے اس کتاب کی تسوید و تحریر
کا کام بغداد میں شروع کیا، پھر جب وہ شام گیا تو وہاں بھی اس کام
کو جاری رکھا، یہ واقعہ ۳۳۰ھ کا ہے، پھر وہ ۳۳۱ھ میں دمشق پہنچا
اور وہیں یہ کتاب اتمام کو پہنچی۔

تحریر کتاب کے بعد اس نے نظر ثانی کی، ابواب قائم کیے، پھر اس
نے مفہوم و معنی کے اعتبار سے فصول قائم کیے تکمیل فصول کا کام
۳۳۷ھ میں انجام پایا، یہ کام مصر میں تکمیل کو پہنچا۔

۱۸۹۵ء میں یہ کتاب لیڈن سے شائع ہوئی، اس کا ایک نسخہ دار الکتب
میں موجود ہے، وہاں اس کتاب کو علم کلام میں شامل کیا ہے اور اس کا
نمبر ۳۴۷ ہے یہ کتاب مصر سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

۴۴۔ "کتاب السیاسۃ المدنیۃ" ——— یہ کتاب ریاست حیدر آباد
دکن سے ۱۳۴۶ھ میں طبع ہو چکی ہے، عبری زبان میں بھی اس کا ترجمہ
موجود ہے، گمان غالب یہ ہے کہ اس کے مترجم کا نام موسیٰ بن طبون
ہے جس نے ترجمہ کا یہ کام ۱۲۴۸ء میں انجام دیا، ابن میمون نے اپنی
کتاب "دلالۃ الحائرین" میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، ابن میمون نے
اپنے شاگرد رشید ابن طبون کو یہ وصیت کی تھی کہ اگر فلسفہ میں کوئی
کتاب پڑھنا ہو تو اس کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب پڑھنے کی ضرورت
نہیں، اس کتاب کا عبری ترجمہ المکتبۃ الملکیہ میں موجود ہے، تین قسم ہیں
اور تینوں ایک دوسرے سے کسی نہ کسی نہج سے مختلف ہیں، اس کتاب

کو PHILIPPOR KI نے اپنے مرتب کردہ مجموعہ موسوم بہ ---
SEPHER HE-ASIPH میں شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۱۸۵۰ء میں چھپا
تھا۔
مونک کا یہ بیان ہے کہ عبری ترجمہ کی نص تمام کی تمام وہ ہے، جو صاحب علم
کی کتاب "مبادی الموجودات" میں ہے، یہ کتاب لندن سے شائع ہوئی
ہے۔

۸۵ ـــــ "کتاب جوامع کتب النوامیس لافلاطون" قفطی نے فارابی کی ایک کتاب
"کتاب النوامیس" کا ذکر کیا ہے، اور ابن ابی اصیبعہ نے "کتاب جوامع
السیاسۃ مختصراً" کے نام سے ذکر کیا ہے، غالباً ان دونوں میں اصل کتاب
وہ ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ
لیڈن میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۴۲۹ ہے۔

۸۶ ـــــ "کتاب الالفاظ الافلاطونیۃ، وتکوین السیاسۃ الملوکیۃ والاخلاق" ـــــ
یہ کتاب بھی فارابی سے منسوب ہے اس کا ایک نسخہ کتب خانہ ایا صوفیہ
(ترکی) میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۸۲۰ ہے۔

۸۷ ـــــ "کتاب فی الاجتماعات المدنیۃ"

۸۸ ـــــ "کتاب الفحص المدنی"

۸۹ ـــــ رسالۃ ابی نصر الفارابی فی السیاسۃ" اسے الاب، شیخو نے قلمی نسخہ
سے مقابلہ کرکے شائع کیا ہے اور کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے
کہ اس کتاب کا فارابی کے نام سے انتساب تو ہے لیکن اس کی تحقیق تاریخی
کتابوں سے جن میں فارابی کے مؤلفات اور تصنیفات سے بحث کی گئی ہے
کوئی سراغ نہیں لگتا۔

ایک نسخہ اس کتاب کا جامعۃ الازہر کے مکتبہ میں موجود ہے۔

۶۔ کتب مختلفہ

اس عنوان کے ماتحت ہم ان کتابوں کا ذکر کریں گے، جو فلاسفہ یونان پر تعلیقات کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۹۰۔۔۔ "کتاب فی اغراض افلاطون وارسطاطالیس۔"

۹۱۔۔۔ "کتاب فی اتفاق آراء ارسطاطالیس وافلاطون"

۹۲۔۔۔ "کتاب الجمع بین رأی الحکیمین افلاطون الالٰہی وارسطاطالیس"

مذکورہ دونوں کتابوں کے اگرچہ نام الگ الگ ہیں لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ دراصل یہ دونوں کتابیں ایک ہی ہیں۔ ان میں سے یہ آخری کتاب ۱۸۹۵ء میں لیڈن سے شائع ہو چکی ہے، لیڈن سے یہ کتاب الگ سے نہیں چھپی ہے بلکہ فارابی کے مجموعہ رسائل یعنی الثمرۃ المرضیہ فی بعض الرسالات الفارابیہ" کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

قاہرہ سے بھی یہ کتاب "المجموع للمعلم الثانی الفارابی" کے ساتھ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ دارالکتب مصریہ میں موجود ہے جس کا نمبر ۲۲۵ ہے "حکمت" کے عنوان کے ماتحت یہ کتاب رجسٹر میں مندرج ہے۔

۹۳۔۔۔ "کتاب الفلسفتین، افلاطون وارسطو،!"

۹۴۔۔۔ "کتاب فی اتفاق آراء بقراط وافلاطون دبقراط وافلاطون،"

۹۵۔۔۔ "کتاب الرد علی جالینوس فیما تاولہ من کلام ارسطو علی غیر معناہ!"

۹۶۔۔۔ "کتاب التوسط بین ارسطو وجالینوس!"

۹۷۔۔۔ "کتاب الرد علی یحیی النحوی فیما ردبہ علی ارسطوطالیس"

۹۸ـــــ "کتاب فی الاعادی المنسوبۃ الی ارسطوطالیس، بجراہ عن بیانا تہا دجمہا،"

ـــــ یہ کتاب ریاست حیدر آباد دکن ۱۳۴۵ھ میں شائع ہو چکی ہے، اس کا ایک نسخہ دارالکتب (مصریہ) میں موجود ہے، جس کا نمبر ۷۶۶ ہے۔

۹۹ـــــ "شرح رسالۃ الملار الاعلیٰ لزینون" ـــــ یہ کتاب ریاست حیدرآباد دکن سے ۱۳۴۸ھ میں "شرح رسالۃ فی العلم الاعلیٰ تالیف زینون الکبیر کے نام سے شائع ہو چکی ہے ـــ اس کا ایک نسخہ دارالکتب (مصریہ) میں موجود ہے جس کا نمبر ۵۴ ہے۔ اور بعنوان "حکمت" درج رجسٹر ہے۔

۱۰۰ـــــ "کتاب فی الاشیاء التی یحتاج ان تعلم قبل الفلسفۃ" ـــــ یہ کتاب ۱۸۹۵ء میں لیڈن سے شائع ہوئی ہے لیکن الگ سے نہیں۔ فارابی کے مجموعہ رسائل موسوم بہ "الثمرات المرضیہ فی بعض رسالات الفارابیہ" کے ساتھ شائع ہوئی ہے لیکن اس کا نام جو مندرج ہے وہ یہ ہے ـــــ "کتاب ما ینبغی ان یقدم قبل تعلم الفلسفۃ" اس کتاب کو مصر کے مطبع سلفیہ نے بھی چھاپا ہے، ـــــ یہ کتاب علم کلام اور فلسفہ یونانیہ کی تاریخ سے گہرا تعلق رکھتی ہے، ارسطو کی کتابوں پر بھی اس میں سیر حاصل مباحث ہیں، اگر ارسطو کے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے اسے ایک مقدمہ قرار دیا جائے تو بالکل درست ہوگا۔

ب - متفرقات!

۱۰۱ـــــ "کلام فی معنی اسم الفلسفۃ"

۱۰۲ـــــ کلام فی اسم الفلسفۃ وسبب ظہورہا، واسماء المبرزین فیہا وعلیٰ من

قرامنهم،!" ـــــــ ابن ابی اصیبعہ نے اپنے ترجمہ میں اس کتاب کو فارابی سے منسوب کیا ہے۔

۱۰۲ـــ "کلام لہ فی لوازم الفلسفۃ"

۱۰۴ـــ "تعلیق کتاب فی الحکمۃ" ـــــــ یہ کتاب ۱۳۴۶ھ میں ریاست حیدر آباد سے چھپی ہے، لوح پر اس کا نام "تعلیقات" درج ہے۔ اس کتاب سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کتاب مختلف موضوعات کی تعلیقات پر مشتمل ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ کسی نساخ نے اسے مختلف کتابوں کے اجزا لے کر مرتب کر ڈالا ہے، اس کتاب کا ہر فقرہ ایک ہی لفظ "قال" سے شروع ہوتا ہے ـــــــ اس کتاب کا ایک نسخہ دار الکتب (مصریہ) میں موجود ہے، جس کا نمبر ۳۸۸ ہے ناظم دار الکتب نے اس کتاب کا نام "التعلیقات فی فلسفۃ التوحیدیہ" رکھا ہے لیکن اس تسمیۂ جدید کی علت ہماری سمجھ میں نہیں آئی،

۱۰۵ـــ فصول مما جمعہ من کلام القدمار

۱۰۶ـــ کتاب احصار العلوم، ـــــــ اس کتاب کا عبری زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے، مترجم کا نام KALOMYNOSKALONYMOSBEN ہے اس کا انتقال ۱۳۱۴ء کے حوالی میں ہوا تھا، اس کتاب کا ایک نسخہ DEROSSI میں ہے، جس کا نمبر ۷۷۶ اور ۵۸۸ ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ لاطینی زبان میں بھی ہو چکا ہے ترجمہ میں وہ عربی نسخہ پیش نظر رکھا گیا ہے جو کتب خانہ اسکوریال میں موجود ہے اور جس کا نمبر ۶۴۲ ہے لاطینی زبان کے مترجم کا نام JOHN OF SPAIN

ہے، یہ شخص- JOHN OF TOLEDO AND JOHN OF SEVILLE AND JOHN AVENDEHOT LIMIA AND JOHN OF LUNA OR JOHN OF

کے نام سے بھی مشہور ہے، اس کو ابن داؤد بھی کہتے ہیں اس کا انتقال ۱۱۶۶ء کے لگ بھگ ہوا تھا، اس ترجمہ کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے ملاحظہ ہو- (COTTON MS. VESP. B X 13 TH CENTURY)

جس کو ۱۶۳۸ء میں پیرس یونیورسٹی میں الہیات کے پروفیسر GUILIE MUS COMERARIUS نے شائع کیا- اور لاطینی زبان میں کتاب کا نام-

ALPHHRABII VETUSTI - SSIMI ARISTOTELIS INTER PREISIOPERA OMNIA QUAE LATINA LINGUA ہے

احصاء العلوم کو دوسری مرتبہ لاطینی زبان میں ترجمہ SEHRDZLE CEMONA نے کیا جس کا انتقال ۱۱۸۷ء میں ہوا تھا-

یہ ترجمہ DE SEIEN TUS کے نام سے کتب خانہ پیرس میں موجود ہے، اس کا نمبر 9335 . FOLS - 143 - 148 ہے-

۱۹۰۷ء میں ڈاکٹر EILHARD WIEDMANN نے جرمنی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کیا تھا، خاص طور پر اس فصل کا جو علوم تعالیم سے متعلق تھی-

لاطینی زبان کے ایک دوسرے ترجمہ کی نسبت

DOMINICUS GUINDTSSALINUS کی طرف

بھی ہے۔

اس کتاب کی اصل عربی عبارت ۱۹۲۱ء میں رسالہ "العرفان" (مصر) شائع کرچکا ہے، یہ عبارت جو رسالہ العرفان نے شائع کی ہے، بظاہر اول زیادہ صحیح اور مستند سمجھی جاسکتی ہے، کیونکہ رسالہ العرفان نے جس کتاب سے یہ عبارت لے کر طبع کی ہے وہ تیرھویں صدی عیسوی کا نسخہ ہے۔

اس کتاب کو دوسری مرتبہ مصر سے پروفیسر عثمان امین نے ۱۹۳۱ء میں شائع کیا۔

مسٹر فارمر نے اس کتاب کے ایک باب کا جو موسیقی سے تعلق رکھتا تھا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ شائع کیا ہے، موصوف نے اپنے ترجمہ کے وقت اس کتاب کے وہ تمام عربی اور لاطینی نسخے پیش نظر رکھے، جو انہیں دستیاب ہوسکے، ان تمام نسخوں سے انھوں نے حتی الامکان پوری احتیاط کے ساتھ موازنہ کرکے ترجمہ کا کام شروع کیا، یہ انگریزی ترجمہ موصوف نے ۱۹۳۲ء میں شائع کیا تھا۔

۱۰۷ــــ کلام فی الجن وحال وجودہم۔

۱۰۸ــــ کلام فی الجوہر

۱۰۹ــــ کتاب الفصوص، ــــــ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ دارالکتب (مصریہ) میں موجود ہے، جس کا نمبر ۷۵ ہے، ۱۹۱۷ء میں یہ کتاب مصر سے شائع بھی ہوچکی ہے، اور اس پر یحیٰ ابن حلبشی السہروردی کی تعلیق بھی ہے، جس کا نام "عجائب النصوص فی تہذیب الفصوص" ہے۔

اسکے علاوہ اس کتاب کا ایک دوسرا نسخہ بھی ہے، جس کا نمبر ۳۰۵ ہے اس پر

محمد بن بدر الدین الحلبی کی لکھی ہوئی شرح بھی موجود ہے، یہ شرح دراصل "فصوص الکلم علیٰ فصوص الحکم للفارابی" کے نام سے چھپی ہے، ۱۳۴۵ھ میں یہ کتاب، ریاست حیدر آباد دکن سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

۱۹۰۶ء میں اس پر HORTEN نے تعلیق لکھی اور اسے یورپ سے شائع کیا،

۱۱۰ ـــــ "جوابات لمسائل سئل عنہا!" ـــــ ابن ابی اصیبعہ کا قول ہے کہ یہ کتاب ۳۴ مسائل پر مشتمل ہے، یہ کتاب ۱۸۹۵ء میں لیڈن سے چھپی ہے اور ۱۹۰۷ء میں مصر سے شائع ہوئی، ۱۳۴۵ھ میں اسے ریاست حیدر آباد دکن نے شائع کیا، ـــــ یہ کتاب ۵۰ مسائل پر مشتمل ہے

۱۱۱ ـــــ "رسالہ فی قود الجیوش!"

۱۱۲ ـــــ "کلام لہٗ فی المعاش والحروب"

۱۱۳ ـــــ کلام املاہ علیٰ مسائل سالہ عن معنی ذات ومعنی جوہر ومعنی طبیعۃ!!

۱۱۴ ـــــ "مختصر کتاب الہدیٰ"

۱۱۵ ـــــ "مختصر کتاب النذر"

۱۱۶ ـــــ "کلام من املاءہ وقد سئل عما قال ارسطو طالیس فی الحار"

۱۱۷ ـــــ "کلام لہٗ فی الملۃ والفقۃ المدنی!"

. . . . . .

مکتبہ جامعہ مصریہ میں ایسے قلمی نسخے بھی موجود ہیں، جو فارسی زبان میں لکھے ہوئے ہیں، اور جو ابو نصر فارابی کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔
میں نے مسٹر آربری کے ساتھ ان رسائل کا معائنہ کیا پہلی ہی نظر

ہیں، ہم نے یہ محسوس کیا کہ یہ رسائل درحقیقت ایک قسم کا مجموعہ ہیں۔
جو فی الواقع، رسائل اخوان الصفا وغیرہ کی فہرست پر مشتمل ہیں، ان
میں کچھ وہ رسالے بھی ہیں جن کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

چنگیز خاں اور جلال الدین خوارزم شاہ

چنگیز کے سامراج میں اب شورش بپا تھی، جیسا کہ اسے خود بھی دھڑکا لگا ہوا تھا، مرد دلیر جلال الدین خوارزم شاہ نے ایک لشکر فراہم کر کے شورش اور جنگ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا،

ساری مسلم دنیا چنگیز کے خلاف تھی، جہاں جہاں موقعہ ملا مغل رستے شہر سے نکال باہر کر دیے گئے۔ کارروانی شاہراہوں پر مسلمانوں کے درفش سبز رنگ لہرانے لگے، مسلمان سوار دیہاتوں، اور دور دست علاقوں سے نکل نکل کر اس پرچم تلے جمع ہونے لگے،

چنگیز کی ایک مزید بدبختی یہ تھی کہ لاکھوں مسلمان مشرق تک افغان سلسلہ کوہ میں جمع ہو گئے، اور بڑی حد تک چنگیزی گزند سے محفوظ ہو گئے، افغانستانی جلال الدین کی فوج میں شریک ہو گئے، ایران اور ہندوستان کے رضاکار بھی آ کر اس فوج میں شرکت جہاد کے لیے جمع ہونے لگے، یہ تعداد میں مغلوں سے کہیں زیادہ تھے۔

اس ہنگام میں چنگیز کی آرزو تھی کہ سبوتائی اس کے پہلو میں ہوتا، لیکن یہ شکست ناپذیر ارخن روس سے واپسی میں راہ بازگشت طے کر رہا تھا۔

چنگیز اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ تنہا تلوئی اس خطرہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس نے تلوئی کو ایک قریب ترین کوہستانی شہر ہرات کا محاصرہ کرنے بھیجا، اس شہر کی فصیلیں بہت مضبوط و مستحکم تھیں، پھر اتی ہاندہ مغل لشکر کو لیکر

وہ خود میدان جنگ کی طرف جلال الدین کو شکست دینے کے لیے بڑھا۔

پہاڑوں کی معمولی چڑھائی پر اپنے آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ برابر آگے بڑھتا رہا۔ اس کے ہراول نے اطلاع دی تھی کہ جلال الدین بامیان میں دیکھا گیا ہے۔

جب مغل فوج اس راستے پر آئی جو بادلوں سے ہوتا ہوا شہر کی طرف جاتا تھا تو یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر یہ لوگ کھو گئے۔ صخرہ بامیان کے نیچے بڑے بڑے پتھروں کے مجسمے موجود تھے جیسے یہ اوپر چڑھنے والوں اور نیچے رہنے والوں کی نگہداری کر رہے ہوں۔

یہ جہانما گوتم بدھ کے قدیم مجسمے تھے، یہ مغلوں کے لیے نئے نہ تھے یہ جہاں گرد لوگ اس سے پہلے ختا کے مندروں اور صحرائے گوبی میں بھی انھیں دیکھ چکے تھے یہ گویا اس بات کی فال تھی کہ خداوندان قدیم ہر جگہ مغلوں کی نگہداری کر رہے ہیں۔

لیکن یہاں عیسی نا مساعدت سے مغل کہیں اور دو چار نہ ہوئے تھے، بامیان کے مدافعین نے تمام سنگی سلوں کو اکھاڑ لیا تھا کہ دشمن کے سپاہی مشینوں کے ذریعہ انھیں استعمال کر کے فصیل شہر کو نقصان نہ پہنچا سکیں، اور منجنیقوں کے ذریعہ انھوں نے آتش ریز روغن چڑھتے ہوئے مغل سواروں پر برسانا شروع کر دیا، اس معرکہ میں چنگیز خاں کا ایک محبوب پوتا بھی کام آیا، جیلا کہ چنگیز خود حملہ آوروں کی جماعت میں شریک ہو گیا، طبل بجنے لگے، اور شہر پر فیصلہ کن حملہ شروع ہو گیا۔

جلال الدین خوارزم شاہ نے پوری ہوشیاری کے ساتھ اپنی فوجوں کو محاصرے کی زد سے باہر نکال لیا تھا، یہیں اس کی شکاکو سے جھڑپ ہوئی، اور اس نے شکاکو زبردست شکست دی۔ جس کا اشارہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔

لیکن آخرکار چنگیز کے اس شہر کو بھی تسخیر کر لیا، اور حسب عادت ویران اور برباد کر دیا، لیکن جلال الدین جنگل میں آ کر نکل گیا تھا، چنگیز نے ایک دن بھی یہاں قیام نہیں کیا، اور فوراً جلال الدین کے تعاقب میں روانہ ہو گیا، شکاکوکے باقیماندہ سپاہیوں کو نہ صرف اس نے کوئی سزا نہیں دی بلکہ ان کی دلاوری کی تعریف کی،

جس طرح کتا شکار کی بو سونگھ لیتا ہے اسی طرح چنگیز جلال الدین کی بو سونگھتا ہوا اس کی تلاش میں راہ سنگلاخ پر رہروی کرتا ہوا چلا -

مسلمانوں نے ایک دوسرے شہر غزنی میں عقب نشینی اختیار کرلی کوئی شبہ نہیں مسلمانوں کی یہ فوج بڑی بہادر تھی، لیکن اس کا سپہ سالار چنگیز کا سا نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ چنگیز خاں نے اس شہر کو بھی فتح کر لیا -

اس واقعہ سے افغان سہم گئے، اور انھوں نے جلال الدین کا ساتھ چھوڑ دیا اس نے ان ریختان گریزپا سے علٰحدہ ہو کر ہندوستان کا رخ کیا کہ وہاں سے اتحادی تلاش کرے -

وہ تیزی کے ساتھ پہاڑی دروں سے گزرتا ہوا - دریائے انڈس (سندھ)[1] کے کنارے پہنچ گیا، لیکن مغل پوری تندی اور تیزی سے اس کا پیچھا کر رہے تھے جلال الدین خوارزم شاہ جب غزنی میں تھا تو مغل اس سے پانچ دن کے فاصلے پر تھے، اور جب وہ سندھ پہنچا تو یہ فاصلہ نصف روز سے بھی کم کا رہ گیا، یہ بغیر رکے اور سستائے ہوئے چلے آ رہے تھے، حتیٰ کہ کھانا پکانے تک کے لیے انھوں نے کہیں قیام گوارا نہ کیا،

جلال الدین دریائے سندھ کے کنارے موجود تھا اور اس دریا کو جس میں

[1] اب پاکستان (جعفری)

شدید سیلاب آیا ہوا تھا پار کرنے کی تدبیر سوچ رہا تھا۔ وہ ایسے مقام پہ پہنچا
جہاں کنارہ ڈھلوان تھا، اور پانی گہرا، اور اب کوئی نئی پناہ گاہ تلاش کرنے کا
وقت نہیں رہ گیا تھا۔

شہزادہ دلاور جلال الدین نے جب مغلوں کو اپنے سے نزدیک اور
خود کو قریب محصور پایا تو جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا، اس نے زمین کے ایک
ہموار ٹکڑے پر جو خم رود کے مابین داہنی سمت پہ واقع تھا، اور جس کے بائیں جانب
ایک بلند و بالا پہاڑ تھا، صفیں آراستہ کیں اور حکم دیا کہ کنارے پر جتنی کشتیاں
ہیں جلا دی جائیں تاکہ ساتھیوں میں سے کوئی بھاگنے کا ارادہ بھی نہ کر سکے۔
اس نے فیصلہ کر لیا تھا یا چنگیز خاں کو شکست دے گا، یا مٹ جائے
گا۔

جیسے ہی سپیدۂ سحر نمودار ہوا اس نے دیکھا کہ سواران بادیہ نشین اس کی
طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں، اپنے بہترین سواروں کو اس نے حملہ کرنے کا حکم
دیا۔

شروع میں تو ایسا معلوم ہوا جیسے فتح انہی کی ہو گی، مسلمان بڑی بہادری کے ساتھ
مغلوں کی صفوں میں تیر کی طرح گھستے چلے جا رہے تھے۔
انجام کار چنگیز کے پاس اب صرف ایک تازہ دم رجمنٹ رہ گئی تھی جسے
وہ جنگ میں جھونک سکتا تھا بجائے خود اس رجمنٹ کی رہبری کرتا ہوا وہ جنگ
کرتا اس نے اپنے ایک سردار کو اس کا سالار بنایا اور اسے حکم دیا کہ سامنے کے پہاڑ
کو گھیرے میں لے کر اوپر چڑھ جائے، اور دشمن کے بائیں بازو پر دباؤ ڈالے،
اس سالار نے تعمیل حکم کی، لیکن پہاڑ پہ چڑھتے ہوئے اس کے کچھ
آدمی پھسل کر گرے اور مر گئے، لیکن وہ چڑھتا چلا گیا، اور وہاں سے اتر کر دشمن کے

عقب پر تندی کے ساتھ حملہ آور ہوا۔

جلال الدین خوارزم شاہ پر جیسے ہی عقب سے حملہ ہوا چنگیز نے کمان سنبھالی اور سامنے سے حملہ کر دیا، نڈھال اور خستہ و درماندہ مسلمان سپاہی جو اب تک اپنے آپ کو فتحیاب سمجھ رہے تھے، یکایک انھوں نے دیکھا کہ محاصرے میں آگئے ہیں آگے اور پیچھے ہر طرف دشمن حملہ کر رہا تھا۔

مایوسی کے عالم میں جلال الدین نے اپنے درہم شدہ لشکر کے ساتھ ایک مرتبہ پھر بڑی بے جگری کے ساتھ مغلوں پر حملہ کیا، مغل لشکر کی طرف سے جلال الدین کی بہادر فوج پر تیروں کا مینہ برس رہا تھا، لیکن ان کی بہادری اتنے زبردست دشمن کے مقابلے میں کیا کام آسکتی تھی،

مسلمانوں کی صف درہم برہم ہوگئی، جلال الدین نے کوشش کی کہ باقیماندہ لشکر کو لے کر دریا کی طرف بڑھ جائے، اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی ہوا۔ ــــ لیکن اب اس کے ساتھ صرف سات سو آدمی رہ گئے تھے، کشتیاں پہلے ہی جلا دی گئی تھیں، لہٰذا اب دریا پار کرنا بھی ممکن نہ تھا،

جلال الدین نے جب یہ دیکھا کہ اس کا لشکر تباہ ہو چکا ہے تو اس نے زرہ اتاری اور دور پھینک دی، اس نے ایک پرچم سبز پھاڑا، اپنی تلوار لپیٹی اور ایک تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

جلال الدین بڑی پھرتی سے کنارے پہنچ گیا، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دریا میں کود گیا، اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر جو کافی فاصلے پر تھا پہنچ گیا۔

چنگیز خاں نے حکم دے رکھا تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ کو زندہ گرفتار کیا جائے، جب مغل دریا کے کنارے پہنچے تو جلال الدین دوسرے کنارے

پر تھا، اور تلوار اس کے ہاتھ میں تھی، چند لمحوں تک چنگیز اسے گھورتا رہا، پھر بڑے تاثر اور ستائش کے لہجہ میں گویا ہوا۔

" وہ باپ کتنا قابل فخر ہے جس کا ایسا بیٹا ہو!"

چند مغلوں نے ارادہ کیا کہ اس یکہ و تنہا مرد دلیر کے تعاقب میں تیرتے ہوئے جائیں لیکن چنگیز نے اجازت نہیں دی، دوسرے دن ایک پوری ڈویژن جلال الدین کے تعاقب میں اس نے روانہ کی کہ ہندوستان (اب پاکستان) میں اس کا کھوج نکالے، اس رجمنٹ کی کمان اس نے ایک آزمودہ کار شخص کے حوالے کی، جو کوہستان کے بے سڑک علاقوں کی جنگ میں مہارت رکھتا تھا۔

یہ سالار اپنی فوج کے ساتھ ہندوستان (اب پاکستان) پہنچا، اس نے ملتان اور لاہور کو تاراج کر دیا، کچھ عرصہ تک جلال الدین خوارزم شاہ کا تعاقب کرتا رہا، مگر اس پر ہاتھ نہ ڈال سکا جو دہلی کے راستے پر بہت سے مسافروں کے ساتھ چلا جا رہا تھا،

پاکستان کا سخت ترین موسم گرما گوبی کے سواروں کے لیے ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا، نتیجۃً واپس لوٹنا پڑا، اور ساری صورت حال چنگیز کے سامنے رکھنی پڑی: "پاکستان کی گرمی ہلاکت خیز ہے، اور یہاں کا پانی تشنگی رفع نہیں کر سکتا، !"

جلال الدین خوارزم شاہ بچ گیا لیکن اب وہ ایک خانہ بدوش شخص تھا، جس کا نہ کوئی ملک تھا نہ وطن، اب وہ اپنے گرد کوئی لشکر جمع نہ کر سکا، اب وہ مغلوں سے صرف چھوٹی چھوٹی ٹکریوں کے ساتھ گوریلا جنگ ہی لڑ سکتا تھا۔

چنگیز نے دریائے انڈس (سندھ) کے کنارے آخری فتح حاصل کر لی تھی۔ اس نے ساحل اوقیانوس سے لے کر، سرزمین روس تک کے ... قوں پر

ہر انسانی مزاحمت و مقاومت کچل دی تھی، ہرات سے لے کر، شمال کے یخ زدہ علاقے تک اب اس کی حکومت تھی،

اب وقت تھا کہ وہ اپنے لشکروں اور فوجوں کو وطن واپس چلنے کا حکم دیتا۔

چنگیز کا خیال تھا کہ صحرائے گوبی واپس جانے کا نزدیک ترین راستہ ہندوستان ہے، لیکن یہاں ایک سدِ عظیم ——— ہمالیہ ——— راستہ روکے کھڑی تھی۔

ناچار اس نے راستہ بدلا، اور شمالی ہندوستان سے گزرتا سمرقند کی طرف روانہ ہوا، جہاں سے گوبی تک کاروانی راستہ شاہراہ کی صورت میں چلا گیا تھا،

آخری کام جو گوبی روانہ ہونے سے پہلے چنگیز نے کیا یہ تھا کہ مفتوحہ مسلمان علاقوں پر مسلمان گورنر مقرر کیا گیا، اس کا خیال تھا اب وہ دوبارہ اس طرف کا رخ نہیں کر سکے گا، یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بیٹے، واپس آئیں اور ان علاقوں پر حکومت کریں۔

چنگیز نے تمام مغل افسروں، حاکموں، اور فرماں رواؤں کو دریائے سیر کے کنارے ایک مجلس مشاورت میں شرکت کے لیے مدعو کیا۔

(GENGHIS KHAN BY HAROLD LAMB) (ترجمہ اخذ)

چنگیز کا سلسلہ خبر رسانی

ڈاک کی چوکیوں پر ایسے سوار بھی رہتے تھے جو ضروری کام کیلئے دو سو ڈھائی سو میل دن میں اور اسی قدر رات میں گھوڑوں پر سوار فاصلہ طے کر سکتے تھے۔ ہر ایک قاصد ایک بہت چکلی پیٹی کمر میں باندھتا ہے، اس پیٹی میں گھونگرو لگے ہوتے ہیں، جنکی آواز بہت دور سے سنائی دیتی ہے، اور جب یہ قاصد چوکی پر آجاتا ہے تو دوسرا قاصد ویسی ہی پیٹی لگائے تیار کھڑا رہتا ہے۔ اور پہلے قاصد کے آتے ہی کل مراسلات جو اُس کے پاس ہوتے ہیں اپنی تحویل میں کر لیتا ہے، چوکی کا محرر جو ہر وقت وہاں موجود رہتا ہے ایک پرچہ لکھ کر اُسے دیتا ہے، یہ محرر ہر قاصد کے پہنچنے اور روانہ ہونے کا وقت بھی اپنی بیاض میں درج کر لیتا ہے۔

قاصد جب چوکی پر پہنچتے ہیں تو وہاں گھوڑے کسے کسائے بالکل تیار کھڑے ہوتے ہیں۔ فوراً اپنے گھوڑے سے اتر کر ان تازہ دم جانوروں پر سوار ہو جاتے ہیں اور جس قدر تیز جانا ممکن ہے تیز جاتے ہیں، اور جب دوسری چوکی کے ملازم دور سے گھونگروؤں کی آواز سنتے ہیں تو فوراً گھوڑوں پر زین ڈال کر انھیں تیار کر لیتے ہیں، ان قاصدوں کی رفتار حقیقت میں حیرت انگیز ہوتی ہے لیکن دن کی طرح رات کو تیز نہیں جا سکتے، کیونکہ رات کے وقت پیادے مشعلیں لیے انکے ساتھ ہوتے ہیں۔

ان قاصدوں اور نامہ بروں کی بڑی قدر کی جاتی ہے، انکی تیز رفتاری کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے سر اور سینے اور کمر کے گرد کپڑا خوب کس کر باندھ لیتے ہیں، اگر ایسا نہ کریں تو کبھی اتنی مشقت اُن سے نہ ہو سکے، ہر قاصد کے پاس ایک تختی ہوتی ہے، اس پر ایک بڑے شکرے کی شکل بنی ہوتی ہے، یہ اس بات کا پروانہ ہوتا ہے کہ قاصد نہایت ضروری کام پر جا رہا ہے اگر راستے میں اتفاق سے قاصد کا گھوڑا بیکار ہو جائے تو اسے اجازت ملی ہوتی ہے کہ راہ میں جو سوار ملے اُسکا گھوڑا لے کر خود سوار ہو جائے، ایسی صورت میں کسی کی مجال نہیں کہ اپنا گھوڑا دینے سے انکار کرے۔

ترکیہ

پہلی جنگ عظیم کے بعد

ترکوں کا مذہب

ترکوں کے مذہب اور ان کی مذہبیت، اور ان کی حکمت عملی کے بارے میں بعض حلقے بدگمانیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، ایک گروہ اس لیے ناراض ہے کہ وہ روس اور کمیونیزم کے مخالف ہیں، دوسرا یوں خفا ہے کہ ان کی حکومت سیکولر ہے، حالانکہ نگاہ تعمق سے دیکھا جائے تو ان وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر ترک بیزاری منجملہ واجبات بن جاتے ترک روس سے اس لیے چونکتے ہیں کہ وہ ان کا پرانا دشمن بھی ہے، اور ہمسایہ بھی، ظاہر ہے کہ ایسا دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے، اور اس سے زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، رہا ترکوں کا مذہب اور ان کی مذہبیت کا معاملہ تو محض اس لیے کہ ان کی حکومت سیکولر ہے، ان سے بدگمان ہو جانا اور انھیں معتوب بنا لینا تنگ دلی اور کج فہمی کا ثبوت تو ہے، لیکن دور اندیشی اور معاملہ فہمی کو اس سے کوئی تعلق نہیں،

جب خلافت کا بار گراں ترکوں کے دوش ناتواں پر تھا، تو انھوں نے حرمین شریفین اور حجاز مقدس کی خدمت دلی جوش اور عقیدت کے ساتھ جاری رکھی، اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں، کہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے وقت کے بہت بڑے اور مقدس شخص عبداللہ بن زبیرؓ کو شکست دینے کے لیے مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا گیا، منجنیق سے خانہ کعبہ پر پتھر برسائے

گئے، انگارے پھینکے گئے، جس سے حطیم کعبہ کو نقصان پہنچا، غلاف کعبہ نے آگ پکڑ لی، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اسی دور میں مدینہ عسکر شام کی جولانگاہ بنا، اور جوار رسول ؐ کی حرمت تک کا پاس و لحاظ نہ کیا گیا، صحابہ ؓ رسول ؐ تک کی توہین کی گئی اور مدینے کے رہنے والوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی، اس کے برعکس ترکوں کے عہد حکومت میں بار بار شورشیں ہوئیں، بغاوتیں ہوئیں، سرکشی کے مظاہرے ہوتے، انھیں جانی اور مالی نقصان پہنچایا گیا، ان کی حکومت کے خلاف سازشیں ہوئیں، دشمن ممالک سے ساز باز کیا گیا، ان کے گورنروں کو ہلاک کیا گیا، ان کے افسروں کی بے دردی اور سفاکی کے ساتھ جان لی گئی، ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی علانیہ کوشش کی گئی۔ شریف مکہ کو آلہ کار بنایا گیا، شام میں بے چینی پیدا کر دی گئی، عراق میں شورش برپا کرائی گئی، مصر نے خود مختاری کا اعلان کر دیا، یہاں تک کہ ترکوں کے قبضہ سے سب علاقے نکل گئے، کوئی شبہ نہیں کہ زندہ رہنے کے لیے ترکوں نے ان حرکتوں اور قوتوں کا مقابلہ کیا، لیکن تباہ ہو گئے، برباد ہو گئے، مگر کوئی ایسی بات نہ کی جس سے حجاز مقدس کا مجد و شرف مجروح ہوتا، کیا یہ ان کی مذہبیت کا ناقابل تردید ثبوت نہیں ہے۔

ترکیہ کی اندرونی خرابی، بے عملی، جمود اور غفلت کی اصل ذمہ داری ان علماء پر ہے جنھوں نے جامۂ ریائی پہن کر سادہ لوح عوام کو غلط راستے پر ڈال دیا تھا، اور ترکوں کو غفلت اور خود فراموشی کی اس منزل پہ پہنچا دیا تھا، کہ ان کی تباہی اور بربادی میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی، ترکوں کو عربوں سے اور علماء سے جو تباہیاں حاصل ہوتی ہیں، ان سے اگر کوئی اور قوم دوچار ہوتی، تو یقیناً وہ اس مذہب سے دست بردار ہو جاتی، جس قوم اور اس

کے نام نہاد عالموں نے اسے کہیں کا نہ رکھا تھا، مصطفےٰ کمال پاشا کی سخت گیریاں اسی کا ردعمل تھیں، لیکن وہ اگرچہ ترکیہ کا نجات دہندہ تھا، "اتاترک" تھا، لیکن کیا وہ اس میں کامیاب ہو سکا کہ ترکوں کے دلوں سے مذہب اسلام کی محبت کھرچ دے؟ واقعات کا جواب انکار میں ہے،

ترکیہ کا سفر کرنے کے بعد لندن میں لارڈ کنروس نے "ترکیہ میں احیاء اسلام" کے موضوع پر ایک لکچر دو تین دن ہوئے دیا تھا، وہ تسلیم کرتے ہیں کہ مصطفےٰ کمال پاشا کا لایا ہوا انقلاب صرف سیاسی اور فوجی نہیں تھا مذہبی بھی تھا، لیکن اگرچہ انھوں نے ترکیہ کو سیکولر حکومت بنا دیا، اور مذہب کو سیاست ملکی کا پابند بنا دیا، لیکن وہ اسلام کو ملکی سیاست سے الگ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، ترکوں کی نئی نسل مغربی انداز تربیت کو حاصل ہونے کے باوجود اقدار و روایات اسلامی اس کے تحت الشعور میں موج زن رہیں۔ ملکی آبادی کی غالب اکثریت نماز اور دوسرے شعائر اسلام کی بدستور پابند ہے، اب عبادت ہر جگہ علانیہ ہوتی ہے، حالانکہ پہلے ڈھکے چھپے ہی ہوتی تھی۔ (نماز تو پہلے بھی عربی میں ہوتی تھی، اذان ترکی زبان میں۔ مصطفےٰ کمال کے حکم سے ہونے لگی تھی) اب پھر اذان عربی زبان میں ہونے لگی ہے، مدارس میں مذہبی تعلیم باقاعدہ دی جاتی ہے، ریڈیو پر قرآن کریم کی تلاوت پابندی کے ساتھ ہوتی ہے، یہاں تک کہ ترکی نے جنگ کوریا میں جو حصہ لیا وہ بھی "اسلام" کے نام پر، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اجارہ داری صرف انہی کے پاس ہے، وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں، اسلام جس دل میں اپنا نشیمن بنا لیتا ہے پھر وہاں سے نکلتا نہیں۔ ترک پہلے بھی مسلمان تھے آج بھی مسلمان ہیں اور ہمیشہ مسلمان ہی رہیں گے، انھوں نے اسلام کے لیے جو گراں بہا

خدمات انجام دیے ہیں، وہ "بھلائے نہ جائیں گے ہم سے، نہ تم سے"!
پھر بھی اگر کچھ لوگ ترکوں کے مذہب پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، تو ان کے بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ترکوں سے بھی ناواقف ہیں، اور اسلام سے بھی، وہ خود فریبی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ اور یہ وہ مرض ہے، جس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔

سمرنا کی خونیں داستان

یہ مختصر طور پر مظالم کا بیان ہے لیکن اس میں کوئی بات بھی فرضی نہیں
ہے ہر بات کے لیے کافی ثبوت اور مختلف شہادتیں غیر طرفدار انگریز
اور خود یونانیوں کی علاوہ مسلم اصحاب کی موجود ہیں اور جو کمیشن اتحادیوں
نے بھیجا تھا اس کی رپورٹ بھی ان کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

یونانی افواج نے سمرنا پر قبضہ کرتے ہی اپنی عادت دیرینہ کے مطابق وہاں کی رعایا پر ظلم وستم وحشیانہ طریقہ پر کرنا شروع کر دیا اور مقامی یونانیوں نے اُن سے ملکر اور بھی اُن کے ہاتھوں کو مضبوط کر دیا۔ آبادیوں کو جلا دینا۔ ترکوں کا قتل عام کرنا بیچاری عورتوں۔ بچوں۔ بوڑھوں کو بلا امتیاز قتل کرنا۔ عورتوں کی عصمت دری کرنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ترک تو خیر مسلمان تھے اگر کوئی یونانی بھی اتفاقیہ انسانی ہمدردی سے متاثر ہو کر ترکوں کی حمایت کرتا تھا تو وہ بھی اسی سزا کا مستوجب ہوتا تھا جس کے ترک تھے۔

ویسے تو عام طور پر تمام سمرنا کی مسلم آبادی کو یونانیوں نے تباہ کرنے میں کمی نہیں کی۔ لیکن خصوصیت سے مینن اور ایدن کے علاقہ کو بالکل تباہ کر دیا۔ شہر کے شہر میں آگ لگائی اور پھر زندہ آدمی اگر اس سے نکل کر بھاگتے تھے تو اُن کو نکلنے نہیں دیتے تھے اور آخر وہ اسی آگ میں جل کر خاک سیاہ ہو جاتے تھے ذیل میں مختصر فہرست اُن مقامات کی دی جاتی ہے کہ جن کو یونانیوں نے آگ لگا کر تباہ کر دیا

اور وہاں کی آبادی کو برباد کر دیا۔ یہ صرف ایک علاقہ ایدن اور برزہ حاموکی فہرست ہے

۱۔ ارشادیہ	۲۱۔ مہاجر	۴۱۔ امیر	۶۱۔ عثمان پورطی
۲۔ شکران	۲۲۔ فیرقلی	۴۲۔ تکلی	۶۲۔ کماق لی کوئی
۳۔ کوزاک	۲۳۔ کوچہ لورما	۴۳۔ گل حصار	۶۳۔ پونہ روبرہ سی
۴۔ قزل شکور	۲۴۔ باباکوئی	۴۴۔ ویری کوئی	۶۴۔ دانش من
۵۔ تپلتی	۲۵۔ قرہ پونار	۴۵۔ قزلجہ پونار	۶۵۔ اوامری
۶۔ الاوجالار	۲۶۔ عثمان بوکی	۴۶۔ ملہتاوچی	۶۶۔ معمورۃ الحمید
۷۔ بوزہ کوئی	۲۷۔ جعفر بیلی	۴۷۔ حاجی علی	۶۷۔ قرہ باش
۸۔ چام کوئی	۲۸۔ قزکودا	۴۸۔ عرب تپوسی	۶۸۔ کوچک گوربن لر
۹۔ کرجہ اوبا	۲۹۔ امیرکوئی	۴۹۔ مترہ باغ	۶۹۔ بلات جیک
۱۰۔ اگر کبدل	۳۰۔ سیوزنیکلی	۵۰۔ سینیر تیقی	۷۰۔ ازم لی حمیدلر
۱۱۔ یینی وجی	۳۱۔ دیبرا غاسی	۵۱۔ رئیس کوئی	۷۱۔ امیر بیلی
۱۲۔ اچاقی کرکلر	۳۲۔ یکلیس کوئی	۵۲۔ قزلجہ کوئی	۷۲۔ اکرک کوئی
۱۳۔ چنگولی	۳۳۔ نائیلی	۵۳۔ یینی کوئی	۷۳۔ ازردلر
۱۴۔ جمعہ بی	۳۴۔ التی کیوبو	۵۴۔ بالطہ کوئی	۷۴۔ غموج کوئی
۱۵۔ یوری غول	۳۵۔ چک سورت	۵۵۔ بارت چیک	۷۵۔ تپہ جیک
۱۶۔ کریکلی	۳۶۔ سندیق لی	۵۶۔ اہرس کوئی	۷۶۔ چرکس کوئی
۱۷۔ اقلیلی	۳۷۔ قامنی کوئی	۵۷۔ عبدالرحمان	۷۷۔ سرچی کوئی
۱۸۔ حمزہ لی	۳۸۔ نشاطیہ	۵۸۔ بے کوئی	۷۸۔ قلعہ کوئی
۱۹۔ کرمند کوزاک	۳۹۔ عمر بیلی	۵۹۔ ویران قبو	۷۹۔ کلفہ کوئی
۲۰۔ کلارغہ	۴۰۔ عکز دیرنی	۶۰۔ اچیک لی	۸۰۔ چشتی عثمانی بولی

۸۱ - حاجی عثمان عباسی	۸۶ - اندرون آغا	۹۱ - کوجہ کوئی	۹۶ - محمد لر
۸۲ - قراشکلی	۸۷ - دیورت کوئی	۹۲ - چریک لر	۹۷ - طراغ بلیسہ
۸۳ - حاجی کیمدت لر	۸۸ - علیسی	۹۳ - کرلی قتوی	۹۸ - سیک سر
۸۴ - کلیسہ کوئی	۸۹ - ململان	۹۴ - عبدل لر	۹۹ - قرہ آغاج لی
۸۵ - اچانی بانط کوئی	۹۰ - امام کوئی	۹۵ - الت گوجی لی	۱۰۰ - صغیر لر

مسیحی پادریوں کی شہادت :- اس سے زیادہ کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ خود مسیحی پادری جو نیزلی میں یونانی قوم کا صدر اور کلیسا کے بشپ تھے (خریسوسٹومس اور دوسرا ارمن قوم کا صدر اور بشپ بابکین) ہر دو پادریوں نے ایک یادداشت اتحادیوں کو دی جس میں لکھا کہ "

یونانیوں نے شہر اور گاؤں معہ ان زندہ آدمیوں کے جو ان شہروں میں تھے اور ان سامانوں کے جو ان کے گھروں میں تھے اور باغوں اور کھیتوں کے اس طرح جلا دیئے جیسے وہ جلانے کے لیے ایندھن ہیں۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ :

یونانی فوج کی وحشتیں سب کی سب مسلمانوں کے لیے ہیں۔ جس سے یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ یہ تمام مظالم مسلمانوں پر کیے گئے اور وہاں کی عیسائی آبادی کو کوئی گزند نہیں پہنچا صرف اسلامی آبادیاں برباد کی گئیں اور جلائی گئیں۔

مسٹر اسٹاسمتھ (یونانی) کا بیان :- مسٹر اشاسمتھ (یونانی) صدر عدالت ایدن کا مختصر بیان حسب ذیل ہے :-

نازلی سے چند سربرآوردہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے انھوں نے قتل کر دیا اور ایدن کے راستہ میں جس قدر گاؤں ہیں ان کو لوٹا اور جلایا اور وہاں کی مسلم آبادی کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ ایدن کے یونانی فوجی آفیسر نے دیسی یونانیوں کو آتشی اسلحہ سے مسلح کیا اور

ان کے ساتھ باقاعدہ فوج بھیجی اور انھوں نے ملکر تمام مقامات کو لوٹا اور جلایا اور جس شخص کو ترکی ٹوپی پہنے دیکھا یا مسلمان ہونے کا شبہ کیا اس کو نیست و نابود کر دیا۔

مسٹر اسٹامتھ کہتے ہیں کہ صرف اس شبہ میں کہ میں ترکوں کا طرفدار ہوں یونانی افسیر نے سپاہیوں کو حکم دیدیا کہ میں اگر انکو ملوں تو وہ قتل کر دیں اور میں اس وجہ سے دو روز تک اپنے گھر میں بند رہا۔

اس کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ

یونان کا وحشی جس نے باغ اسلام کو برباد کرنے کی ٹھان لی ہے
اور جو اپنے دل میں اسلام کو دنیا سے مٹا دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔
بہادری سے عاری اور انسانیت کا دشمن ہے اسنے میندر کے تمام شہر
کو قتل عام اور آتش زنی سے برباد کر دیا اور شریف اور مجسم اخلاق
مسلمانوں کو مشین گنوں سے برباد کیا۔ ان کی عورتوں تک کو زندہ
نہ چھوڑا اور ان کے شیر خوار بچوں کو بھی گولیوں سے مار ڈالا
اور ہزاروں کو آگ میں زندہ جلا دیا۔

وحشیانہ سفاکیوں کے اس نظارے سے جو میں نے دیکھا ہے میرا دل درد والم سے معمور ہو گیا ہے اور میرا ضمیر مجھے یونانی ہونے پر ملامت کر رہا ہے۔

مندرجہ بالا بیان ایک یونانی کا ہے۔ اب ہم ایک انگریز کا بیان درج کرتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ غیر مسلم اصحاب کا ان مظالم کے متعلق کیا خیال ہے۔

کپتان ڈکسن جانس (ایک انگریزی آفیسر) کے خط کا اقتباس

یونانیوں نے ہر اس آدمی کو قتل کر دیا جس نے "زیٹو دینی زیلوس" کا نعرہ نہ لبند کیا آفیسروں کی یونیفارم اتار لی ان کے جوتے چھین لئے بسمنا کے گورنر جنرل کو بہت بے عزت کیا اس کی ٹوپی کو پیروں میں روندا ان کی حرم کو بے حرمت کیا۔ ان کا مل

لوٹ لیا۔ اُن کے آفیسر اعلیٰ کو زخمی کیا اور ان کے بھائی کی ہر چیز لوٹ لی۔ اُس ڈاکٹر کی منگنی کی انگوٹھی بھی چھین لی اُن کی انگلی کا نشان میں نے دیکھا ہے۔ بہت سے ترکوں کی انگلیاں محض انگوٹھیوں کی وجہ سے یونانیوں نے کاٹ لیں۔ گاؤں میں تو صرف لوٹا ہی نہیں بلکہ ان کو لوٹ کر جلا بھی دیا۔ دیاناں اور دنیزلی میں یونانیوں نے اسلحہ کی جستجو کے بہانے سے مسلمانوں کی عورتوں کو بے حرمت کیا اور ان کے گھروں کو لوٹ لیا اُن کے گھروں کو جلا دیا اور مشین گنوں سے بستیاں تباہ کر دیں۔ جو لوگ ہجرت نہ کر سکے یا گھروں سے نکلتے ہوئے یونانیوں کو مل گئے وہ یا تو زندہ جلا دیئے گئے یا بندوق یا توپ کا نشانہ ہو گئے یا تلوار اور سنگین کے ذریعہ سے ہلاک کر دیئے گئے ایک واقعہ نظیر کے طور پر پیش کرتا ہوں :

چار مسلمان عورتوں پر جب یونانی سپاہی حملہ آور ہوئے تو انھوں نے اپنی عصمتوں کو بچانے کے لیے اپنے شوہروں کی بندوقیں اٹھا کر استعمال کیں۔ اس جرم پر ان وحشیوں نے اُن چاروں کو پکڑ کر لکڑیوں کے انبار میں ڈال دیا اور اس پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔

شہر ایدن کے علاوہ ان لوگوں نے ۹۰ سے زیادہ گاؤں برباد کیے اور جس قدر مسلمانوں کے نعیت مظفے ان سب کو جلا دیا۔ میرا اندازہ ہے کہ صرف ایک صوبہ ایدن میں دس ہزار مسلمان شہید ہوئے اور ایک لاکھ سے زیادہ ہجرت کر گئے ان مہاجرین کی یہ حالت ہے کہ کسی کے پاس اُن کپڑوں کے علاوہ جو وہ پہنے ہوئے ہیں اور کپڑا نہیں ہے اور گرم کپڑوں کے نہ ہونے کی وجہ سے نمونیا اور فالج کے مرض میں مبتلا ہو کر مر رہے ہیں۔

یہ واقعات لکھنے کے بعد یہ آفیسر لکھتا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر اتحادی بیڑہ کیوں یونانیوں کے مظالم کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے۔ یونانی شہری اور فوجی سخت

سفاکیاں اور بے رحمیاں کر رہے ہیں اور ترکوں کی شرافت کا یہ حال ہے کہ وہ ان تمام باتوں کے جواب میں ایک حرکت بھی ایسی نہیں کرتے جس کو یونانی وحشی بہانے کے طور پر اپنے مظالم کی وجہ بتا سکیں۔

ایک فرانسیسی کا بیان:- ایم پیرلوٹی نے مندرجہ ذیل پرائیویٹ چھٹی عثمانی لیگ کے نام بھیجی تھی۔ یہ چھٹی اس کے پاس فرانسیسی بیڑے کے ایک اس کے ساتھی نے اس کے نام بھیجی تھی، اور اس میں سمرنا کے اندر یونانیوں کے داخلہ کا ذکر ہے ... یہ بھی لکھتا ہے کہ جملہ دیگر فرانسیسی افسران بھی اس حادثہ کو ناراضی سے بیان کرتے ہیں، لیکن فرانس میں سنسران کی اشاعت کی ممانعت کرتا ہے۔

۱۵ مئی کو صبح کے سات بجے یونانی جنگی جہازات ایوارف اور لمنوسی نامی مع چند فوجی جہازوں کے سمرنا کے سامنے آکر لنگر انداز ہوئے اور اس بڑی دھمکی کا علم عثمانی حکام کو ہوئے بغیر یونانی افواج کرنیل ذافریٹ کی ماتحتی میں جہازوں سے اترنے لگی۔ چالیسویں اور پچاسویں انفنٹری اور ایادہ دبلیوں کی ایک رجمنٹ اس سپاہ میں شامل تھی۔

بندر پر اس وقت بڑی بھیڑ جمع ہوگئی تھی بڑے گرجے کے پادری نے اس کو اپنا فرض تصور کیا کہ وہاں آکر مذہبی تقاریر سے مشتبہ مواقع کی بابت راسخ الاعتقاد لوگوں کو ابھارے!

ترکوں نے فوج کے خشکی پر اترنے کی کوئی مخالفت نہیں کی ان کی افواج بارکوں میں بند ہوگئیں، بلکہ اس خفیف واقعہ سے بہت عرصہ قبل (جس سے مغرور فاتحین کو ہر قسم کی اجازت ملتی تھی) اس امر کی تیاری کرلی تھی کہ وہ اسلامی آبادی پر قبضہ بلا نیت انتقام ہونے دیں۔

کرایہ کے اشتعال دینے والے اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے، اور مزید اطمینان

کے لیے یونانی صلیب احمر نے مقدونیہ کے کمیٹیوں کے دو نہایت کم ظرف گروہ مسلح کر لیے تھے اور ان کو یونانی تار پیڈو کشتیوں کے ذریعہ ایشیائے کوچک میں پہنچا دیا اور مختلف حکام کی رپورٹوں سے یہ امر پایہ یقین کو پہنچ گیا ہے کہ سمرنا کے یونانی قزاق جو یونانی سپاہ کے خیر مقدم کو آتے تھے اور اس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے موجود تھے۔ وہ سب کے سب علانیہ ریوالور لیے ہوئے تھے، قصداً یا اتفاقیہ ان کی ٹولی میں سے ایک گولی فیر کی گئی جو مغرور فاتحین (جو نمودار تھے) کے درمیان ناقابل بیان خطرہ کا باعث ہوئی، بہادر یونانی فیر کرتے ہوئے ہر سمت کو بھاگ رہے تھے؛ جس سے گڑبڑ اور زیادہ پھیل گئی، اس وقت کا ذکر ہے کہ دیگر یونانی سپاہ نے جو پہلے کنٹنجنٹ کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی، غیر مسلح ترکی بارگوں پر فیر کرنے شروع کر دیے، ان کو جو کچھ بھی سگنل دیے گئے اس کے باوجود اور سفید جھنڈا فوراً بلند کیے جانے کے باوجود یونانیوں نے ان ترکی افسروں پر جو ایک روز قبل غیر مسلح کر دیے گئے تھے اپنے فیر جاری رکھے۔
اشتعال اور جھوٹی تعلیموں کے ذریعہ انھوں نے لڑکوں کو مجبور کیا کہ وہ دامن صبر کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ ان کی جانب سے چند گولیاں چلنے پر، یا ان کے جوانوں کی جانب سے گولیاں چلانا بیان کرنے پر قتل عام کے متوقعہ آثار نمایاں ہو گئے۔
یونانی بارگوں پر جھپٹ پڑے اور اس کے مقیموں کو ہلاک یا مجروح کر دیا۔
گھاٹوں پر ترکی خواتین کو بے پردہ کیا گیا۔ اور ان کی توہین کی گئی، یونانی مسلمانوں کو مخاطب کر کے باواز بلند کہہ رہے تھے "میں تیرا ابھی تیر انداز ہوں" لفظ نیکو یونانیوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ ترکوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ فیض ٹوپیاں اتار اتار کر پاؤں تلے روند دیں، اگر وہ انکار کریں تو ان کو سمندر میں پھینکا جاتا تھا، یا سنگینوں سے ان پر حملہ کیا جاتا تھا۔
غیظ و غضب میں یونانی اندھے ہو رہے تھے کہ یونانیوں نے پندرہ محبان

وطن کو قتل کر ڈالا جو اپنے عہدہ کی حیثیت سے عثمانی فیض ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے، اور انھوں نے فرانسیسی اسٹیشن ماسٹر، واطالی اور ایک انگریزی رعایا وغیرہم کو جان سے مار ڈالا۔

یونانی کمانڈر نے محاصرہ کی حالت کا حکم دیدیا تھا۔ اس لیے قتل وغارت گری مسلح سپاہ کی زیر حفاظت واقع ہوتی رہی، چالیسویں انفنٹری لٹیروں اور بلاکوؤں سے مل گئی تھی۔ دوسری رجمنٹیں ان کی تقلید میں عجلت سے کام لے رہی تھیں، ایک گروہ کی صورت میں مقید کر دیے گئے تھے اور ان کے مکانات جلا ڈالے گئے۔

لیکن، یونانی صرف مسلمانوں ہی کی جان اور پر حملہ آور نہیں ہوئے، انھوں نے عثمانی بنک، فرانسیسی سفارت خانہ کا گودام وغیرہ بھی لوٹ لیا۔

انھوں نے یہاں تک کیا کہ پلیکیروں (قزاقوں) کو جو سمرنا میں یونانی آبادی کا عنصر غالب ہے ہتھیار تقسیم کر دیے۔ اور ان کی بیبیوں کو بھی ہتھیار دیدیے جنھوں نے لڑکوں کی لاشوں کو بے حرمت کرنے میں ان سے کام لیا جن کا عثمانی ہسپتال میں انبار لگا ہوا تھا۔

سڑکوں پر تمام جرائم اور بزدلانہ افعال کا ارتکاب ہو رہا تھا جو کہ ذہن میں آسکتے تھے۔

ایک ضعیف ترکی کرنیل جو کہ علیل اور نہایت نحیف تھا اس کو بھی پلیکیروں (قزاقوں) کا سامنا کرنا پڑا اس کا جسم سنگینوں کے زخموں سے چھلنی ہو گیا ہے شہر کے پھاٹکوں پر تین غیر مسلح جنبدار می نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس سوار جا رہے تھے اور انکو کچھ خبر نہ تھی کہ سمرنا میں کیا ہو رہا ہے وہ بھی نہایت بیدردی کے ساتھ ہلاک کر دیے گئے۔

ایک اور مقام پر ہمارے بیڑے کے ایک افسر نے دیکھا کہ ایک یونانی پیٹرول

ایک ضعیف آدمی کا تعاقب کیے چلا جا رہا ہے اور ایک کارپورل اُس کے سر پر آہنی بندوق کا کندہ مارتا جا رہا ہے۔

"اس نے کارپورل سے دریافت کیا کہ تم اس غیر مسلح بڈھے کو کیوں مارتے ہو" "اس لیے کہ یہ خوفناک آدمی ہے اس کے مکان سے اسلحہ برآمد ہوئے ہیں ــــــ ــــــ ہے۔"

بعد میں معلوم ہوا کہ صرف دو سو گرام چھوٹے چھروں کے سو گرام شکاری بارود کے اور کارتوس کے دو خالی بکس ان اسلحہ کی تفصیل میں شامل تھے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ عطارد کی سعد اور شبھ گھڑی کے بعد مریخ کی منحوس ساعت آ جاتی ہے، جبکہ پیٹرول سڑکوں پر گشت لگا رہے تھے تو ایماندار یونانی ان کی رہنمائی کر کے خطرناک آدمیوں کے مکانات تک ان کو پہنچا دیتے تھے۔ اور اس کا پتہ نشان بتا آتے تھے، یہ خطرناک آدمی تعلق سے اس پتہ بتانے والے کا ہمیشہ قرض خواہ ہی ہوا کرتا تھا اور اس کا حساب یوم بھر میں چکتا ہو جاتا تھا۔

اسی اثنا میں ترک جو اسیر کر لیے گئے تھے، ان کو دانہ پانی کچھ نہ دیا گیا، انگریزی افسروں نے جو ان سے ملنے جاتے تھے۔ اس بیدردی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، یونانی، فوجی حکام نے چپ کئے ہو کر ترکی خواتین کو اجازت دیدی کہ وہ قیدیوں کو کھانا پہنچا دیں، جب وہ کھانا لے کر جاتی تھیں تو یونانی جوان ان کا مذاق اڑاتے تھے: ان کو بے نقاب کرتے تھے اور صرف اس صورت میں ان کو اندر جانے دیتے تھے جبکہ وہ شاندار یونانی نشان والی کاغذی جھنڈیاں اپنے ہاتھوں میں لے کر جائیں،

یہ ہیں سچے حالات سمرنا کے ہم اُمید رکھتے ہیں کہ باوجود ان لوگوں کی مخالفت کے جن کا فائدہ اس راز کو پردۂ اخفا میں رکھنے ہی سے ہے ان کو نظشت از بام کیا

جائے گا۔ سمرنا میں یونانیوں کے داخلہ کی فرود صلیباتی تین سو ترک ہلاک اور چھ سو مجروحین کی ہے،

فرانسیسی اخبارات اس قابل یادگار دن کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

یونانی سپاہ ایک عالم کی اشتیاق بھری نظروں کے ساتھ میں سمرنا کے اندر اتری یعنی پہلے لمحے کا اشتیاق چشم زدن میں مٹنا شروع ہو گیا اور یونانی افواج کا کمانڈر اس سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں اس کی قلعی کھلجانے پر اتحادیوں کی اندھا دھند ہمدردی کے باوجود سمرنا کا معاملہ پبلک میں انقلاب نہ پیدا کر دے،

پس اس نے مناسب خیال کیا کہ وہ اپنی نکتہ چینیوں کی پہلے سے پیش بندی کر لے اور ایک حکم شائع کر کے اس نے کچھ خانہ بدوشوں کے ردیہ کو مورد الزام بنایا، جن کے ساتھ انصاف کرنا جنگی کونسل کا کام ہے۔ ہم کو یقین کامل ہے کہ ان خانہ بدوشوں کو پھانسی کی رسی یا سولی کا بالکل خوف و خطر نہیں ہے کیونکہ اسی کے مستوجب ہیں، بلکہ اس کے برعکس ▬ اسی وقت سے نہایت عزت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور جبر گیری سے آزاد ہیں۔

واقعات سمرنا جن کو زیر عنوان "حادثات" ترکی اخباروں نے لکھا ہے اسے ظاہر ہوتا ہے کہ یونانی نہ صرف دوسرے ملک کی علمبرداری حکومت کے ناقابل ہیں بلکہ خود اپنی نگرانی کیے جانے کے مستحق ہیں۔

اگر ہم اس آرمینیم کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں جس پر ترکوں کی جانبداری کا مشکل شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ حسب ذیل الفاظ میں ہیرنل کی اولاد کے کارناموں کو ثبت کرتا ہے۔

▬ سیدھے سادھے الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ اکثر ہم کو قتل کیا گیا ہے لیکن

ہمارے ساتھ کبھی ترکوں نے ایسا سلوک روا نہیں رکھا۔ جیساکہ یونانیوں نے ان کے ساتھ کیاہے اور کبھی انھوں نے ایسے طریقے سے ہمارے عقائد کی توہین نہیں کی ہے

آخر میں اس کو اڈرن کے ڈویژن کے ایک افسر اعلیٰ کا فقرہ نقل کرنے دیجیے، جس نے اپنی رپورٹ کے خاتمہ پر لکھاہے کہ۔

"یونانیوں کا رویہ شرمناک اور وحشیانہ تھا، (اخبار خلافت)

اب جبکہ آپنے یونانی۔ انگریزی۔ فرانسیسی غیر طرفدار شہادتیں دیکھ لیں اس سے آپ کو ان مظالم کی کیفیت معلوم ہوگئی۔ آپ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ غیر مسلموں کی شہادتیں ہیں اور پھر بھی کس قدر لکھ رہے ہیں۔ اب ہم اخبار خلافت سے دو تحریریں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ایک تو وہ میموریل ہے جو ہز ہائنس توفیق پاشا کی خدمت میں سمرنا کی مسلم آبادی نے پیش کیا۔ اور دوسرے جنرل علی نادر پاشا کی رپورٹ ہے۔ اور اس کے بعد مختصر واقعات پیش کیے جاویں گے۔

سمرنا کا سانحہ ہائلہ - میموریل

پیش کردہ کمیٹی تحفظ حقوق عثمانیہ

بخدمت ہز ہائنس توفیق پاشا عثمانی

مختار عالم پیس کانفرنس

مورخہ ۱۳ رجون ۱۹ سنہ

عالیجاہ ! ہم ناسعت کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ پولیٹیکل حلقے بعض ایسے طماع اور بد نیت پولیٹیکل اشخاص کے بہکانے میں آجاتے ہیں جو اپنے مفاد اور جائز حقوق کے حسب حال منصوبوں کے پورا کرنے کی غرض سے ترکی نیک نامی کو توہین اور دروغ بافی سے مملو کرنے میں بھی ذرا تامل نہیں کرتے اس غیر وفادارانہ طریقے سے ہمارے موجودہ یا مستقبل رویہ کے متعلق مہذب دنیا میں بے اعتباری کا بیج بو دیتے ہیں حالانکہ ہمارا رویہ اسی آزادی اور صداقت کے مطابق ہے جو دور جدید کے ضمیر میں مضمر ہے پس کمیٹی تحفظ حقوق عثمانی سمرنا جناب عالی کی خدمت میں ملتمس ہے کہ جناب مہربانی فرما کر حسب ذیل شکایتوں کو ان اعلیٰ درجہ کے پولیٹیکل حلقوں کی توجہ اور جوش مساوات کے علم میں لے آئیں،

ایسے وقت میں جبکہ ہر شخص ان خون کی ندیوں کے کنارے جو بیدردی کے ساتھ

بہائی گئی ہیں توجہ کناں ہے، یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس عالمگیر جنگ نے (جس کے آغاز اور طوالت کی ذمہ داری ان بعض حکومتوں کے ڈائرکٹروں کے سر عاید ہوتی ہے جو اپنے لوگوں کی آواز کو ہر طرح بند کرنے کی قدرت رکھتے تھے) ہر دل میں یہ توقع پیدا کر دی ہے کہ ایسا دوامی امن ہو جائے گا جس کی بنا بر انسانیت اور انصاف کے صحیح اصولوں پر ہوگی جناب اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ہمارے ملک کی اس امید کو جو خلاف توقع ضرب بسبب سے پہلے لگی وہ سمرنا پر یونانی افواج کا پہلے سے ٹھانی ہوئی وحشت کے ساتھ قبضہ کرنا تھا۔

(یہ قبضہ اس مقصد کو دل میں لے کر کیا جاتا ہے کہ یونانی قلیل تعداد کے جوئے کے نیچے جس کو یونانی کارروائیوں سے تقویت دینا ٹھان لیا گیا معلوم ہوتا ہے ولایت ایدن کے بیشمار مسلمانوں کی کثیر تعداد کے جلد خاتمہ کر دینے کی پالیسی کے واسطے ایک مناسب حال زمین تیار کر لی جائے)

اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے حق اور ترکوں کے جذبات قومی و خودداری کے مقابلہ سے متاثر ہونے سے ان خیالات میں بے حد اختلافات پیدا ہو گیا ہے جو سلطنت عثمانیہ کو بربری یونانی حکومت میں باعث امتیاز ہیں لیکن اس سے تمام مسلمان آبادی اپنی سلامتی کے انجام کے بارے میں، ایک تشویش انگیز خطرہ میں پڑ گئی ہے، سمرنا اور اس کے ماتحت علاقوں میں جو لوٹ مار غارت گری ہنگامے قتل کشت و خون، اور وحشیانہ مظالم خونی قبضہ کے بعد سے اب تک روا رکھے گئے ہیں اور روا رکھے جاتے ہیں، وہ عثمانی دور حکومت میں ایک روز بھی روا نہیں رکھے گئے۔ یونانی فوج نے ان شرمناک افعال کا مسلمانوں کے ساتھ ارتکاب کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا جن کو زمانہ قدیم کے وحشی قبول کرنے میں بھی ایسے وقت میں جبکہ وہ بڑی اور خونی قربانیوں کے بعد کسی قصبہ کو بازپر دکھلر کرتے۔

ذمّی یونانی صدیوں سے ترکوں کے فیاضانہ رویہ کی بدولت امن وچین کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور جو مراعات ان کو عطا کی گئی تھیں وہ باعث امتنان ہیں۔ ان لوگوں نے سب سے زیادہ دولت کمائی اور سلطنت کے وسیع ذرائع سے مستفیض ہوئے اور ترکوں نے ملک میں امن وسکون قائم کرنے کی غرض سے اپنا خون بیدریغ بہایا یہ برادران یوسف جن کی خوشحالی اور ترقی کی خاطر ہم اس درجہ کو پہنچے سب سے پہلے وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنے یونانی ہم مذہبوں کی بری نظر پیش کی۔

یونانی سپاہیوں اور شہریوں کے تباہ کن غیظ وغضب کی نگاہ جن چیزوں پہ سب سے پہلے پڑی وہ وردیاں اور قومی علامات کی تصویریں وغیرہ تھیں۔ آج مقبوضہ علاقوں میں مسلمان آزادی سے بالکل محروم ہیں سرکاری خط وکتابت پر سخت نگرانی ہوتی ہے ترکی اخبارات پر سخت احتساب قائم ہے اور ترکوں کا جان ومال یونانی بدمعاشوں کے ہاتھوں ہر وقت خطرہ میں ہے، انقلابی واقعات جو سمرنا میں وقوع پذیر ہوئے وہ تمام غیر ملکی گواہ اور اتحادیوں کی بحری سپاہ کی نظروں کے روبرو ہوئے ہیں اس لیے ہم ان کا اعادہ کرنا یہاں غیر ضروری سمجھتے ہیں، علاوہ بریں یونانیوں نے جملہ خط وکتابت کو روکنے کی ترکیبیں کی ہیں جن کے باعث ہم یونانی حیوانی جرائم کی تفصیل بھی پوری پوری نہیں حاصل کر سکتے۔ اس عرضداشت میں ہم صرف ان واقعات کا مختصر خلاصہ پیش کرنے کی جرأت کریں گے، جو بورنابا، بوسیکا، جوما، اودلیبی، کوریجی، نالفت، سیودی حصار اور لا میں ہوئے ہیں، اور نیز ترکی مکانات ودکانات جو لوٹے گئے ہیں، اور انسانی جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ ان کی ایک نہایت نامکمل فہرست پیش کریں گے۔

اشاء قبضہ میں گورنمنٹ کی الماریں، آہنی صندوق اور دروازوں کے قفل توڑ سے گئے، اور اشیاء محمولہ کروڑوں کی تلاشی میں نکال کر بکھیر دیا گیا۔

اس کے علاوہ ملازمان گورنمنٹ کے پاس جو کچھ بھی تھا، یہاں تک کہ ان کے کپڑے ان کے اور کوٹ اور دیگر اشیا چھین لی گئیں۔ والی سے لے کر ادنیٰ محرر تک سب کو بے حرمتی کے ساتھ گودی ہنکا دیا گیا۔ ان کے ہاتھ بلند کرا رکھے تھے اور ان کو ۔۔ت کی دھمکی دے کر حکم دیا جاتا تھا کہ وہ زیلیٹو دینز یلو کے نعرے لگائیں، ہر قدم پسان کو سنگینوں اور بندوق کے کندوں کی ضربیں لگائی جاتی تھیں، مدارس کے معلموں کو پترس جہاز پہ اسی طرح لے گئے، تاکہ وہاں ان کو نظر بند کر دیں، جو افسر بارکوں میں موجود تھے ان میں سے چودہ کو قتل کر دیا گیا، دیگر اشخاص کرنل فتحی بے، نادر بے، فخرالدین آفندی، احمد بے، وغیرہ قتل کئے گئے۔ مدرسہ صنعت وحرفت کا طالب علم ن ۳۰ احسان آفندی بنک اگری کول کے سامنے نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا، جادث محلہ کے شیر فروش احمد آغا کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے سنٹرل دفتر پولیس کے ایجنٹوں کو سپاہیوں نے ان کی چوکیوں میں وحشیانہ طریق پر ہلاک کر ڈالا بنک اگری کول کے سامنے نورالحسن آفندی پولیس سپرنٹنڈنٹ کی تکہ بوٹیاں کر ڈالیں، اخبار حقوق المبشر کے مالک حسین رجب بے کو اس کے مکان کے اندر ذبح کر ڈالا، اخبار نوتوکے دو چھاپنے والے لڑکے مار ڈالے گئے، رفیق آفندی ملیٹری پولیس مین کو دہلا دینے والے طریق سے قتل کیا گیا۔ سرکاری عمارتوں کے سامنے ملیٹری ہوٹل میں آٹھ شخص مرد و عورت (اور بچے) تہ تیغ کئے گئے۔ خالد آفندی افسر پولیس کو ہلاک کیا گیا، صغیر حسین اور غواص احمد مسمی اس کو نامہ یانی کے بیٹے (دآپاشر خانہ کا مالک) کا نشانہ بنے، تقریباً پچاس مسلمان کشتی والوں کو ایک دوسرے سے زنجیر میں باندھ کر سمندر میں غرق کر دیا گیا، اور ان کی اور بہت سے دیگر اشخاص کی لاشیں لب ساحل تلف کر دی گئیں، محلہ تلکیلیک کا معلم ٹیکس نوری بے سنگینوں سے چھید اگیا، انجام کار وہ پچاس زخموں کے صدموں سے

ملبیع قونو کے سامنے جاں بحق ہوگیا۔ اول الذکر پولیس افسر احمد آفندی کے کوڑے یونانی سپاہیوں نے اڑائے تھے۔ تاتار حسین کشتی والا قتل کیا گیا بہت سے خاندانوں کی (جن کا نام ہم قلم انداز کرتے ہیں بے حرمتی کی گئی۔ مندرجہ ذیل مکانات و دکانات ہوٹل، تھیٹر اور کارخانوں کو لوٹا اور جلایا گیا، تھیٹر بیری، ہوٹل عسکری، حامد ویلا ذیدی ہوٹل ابو نور محمد، احمد راعنب کتب فروش، ابراہیم حقی کی ڈائری، دوا خانہ شیغو، کلب گھر فورڈ ورینٹ، حقی چی باشی ان کا کلب گھر، حاجی حافظ مصطفیٰ جوتے فروش کی دوکان اسماعیل آفندی کا قہوہ خانہ اور اس کا مکان واقعہ قرہ پوشی "اج جی عثمان آفندی کی دکانیں، حاجی حافظ نکری سلانیک کے حافظ حسین کی دکانیں اعلیٰ شہری کا بازار حنفی استاد جوتا بنانے والے کی دوکان، حصار اور طوق باشی ساجد کی قالین اور سجادے، دفتر مالداری کے مقابل مستحفظ افسروں کی تفریح گاہ، اوودن بازار میں توفیق گھڑی ساز کی دکان، واقعہ آراستہ اور عدالت قدیم کے سامنے مسلمانوں کی ایک سو بیس دکانیں، قریش جی جہاں بے کی دکان، کلید علی سپرنٹنڈنٹ پولیس محمد آفندی کا مکان، دیک باشی یں ایجنٹ مصطفیٰ کا مکان علی حیدر کی دکان، اعلیٰ بے یں حسین بے افسر مردم شماری کا مکان، کرانش میں، نوری بے کے مکان کی ایک اینٹ بھی کھڑی نہیں رکھی۔ اور غرص پٹیے میں حافظ محمد آفندی گھڑی ساز کے مکان کا بھی یہی حشر کیا۔ نیز مرحوم حاجی زید حار بے کے مکان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ قرنطینہ میں لفٹنٹ کرنیل طاہر بے اور کپتان حلمی بے کے مکانات کی اینٹ سے اینٹ بجادی، محلہ مکتوب جی میں سابق کا مکان اور ولایت احمد بے کے مشیر کا مکان ڈھادیا، اقرجلی نید حاجی بقیر آفندی کا مکان، اور دکان، نوری بے سابق ناظم بندیخانہ کا مکان، حسین رفعت بے کا مکان واقعہ بوزیاقہ محلہ اشرف پاشا کے جملہ مکانات اسلحہ کی تلاش کے حیلے سے مسمار کردئے گئے،

محلہ فراق میں ڈاکٹر محمد علی و اسعد نظیر و شریف وجواد آفندی اور ڈاکٹر جودت کے دوا خانے بھی تباہ کر دیے۔

۱۶ مئی سنہ ۱۹ء کو بورنایات میں دنیزیلیوں کے غیظ و غضب کی آگ مسلمان آبادی پر برسی جنھوں نے ان کے مکانات پر دھاوا کیا، اور ہر کار آمد چیز ان سے چھین لی، اور تلواروں سے دھمکا کر ان کی زبانیں بند کر دی گئیں، مندرجہ ذیل فہرست ان مالکان مکان کی ہے جن کے مکانات جلائے گئے۔

ڈاکٹر غالب بے پنشنر، بعجر تحسین بے، احمد آفندی۔ ماکو بنگ آگری قول پنشنر حسین حسنی آفندی، ایدنلی قرلعی، فوری بے وغیرہ، ان اشخاص کے نقصانات کی رقم پانچ ہزار ترکی اشرفیاں ہوتی ہیں۔

غالب کی زوجہ اور دختران کے جسم سے وہ زیورات اور قیمتی جواہرات جو وہ پہنے ہوئے تھیں بڑی بیدردی سے چھین لیے گئے، مویشیوں کی کثیر تعداد اور بھیڑوں کے گلے چھین لیے گئے، اٹھارہ ہزار اشرفیوں کے قیمتی آلات کاشت توڑ پھوڑ کر لے گئے، باشندوں میں سے مسمی صدیق پچپن سالہ و مسمی حاجی عمر اغو لوحسین پینتالیس سالہ کو جان سے مار کر ایک کنوئیں میں پھینک دیا گیا، دیباغ علی اور پانچ سپاہی جن کی شناخت پالاموت میں نہ ہو سکی اور کاریگر علی و حاجی محمد آغا مکفرت کو قاتلوں نے گولی سے مار دیا، کریٹ کا باشندہ امین اور اس کے بیٹے محرم کے گلے میں رسی باندھ کر گھسیٹا گیا، اور ان کی لاشوں کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ پالاموت میں مرجان اور شعبان حسین کو شدید زخمی کیا گیا، ان کے علاوہ بیہودہ دیگر اشخاص کو آتشیں اسلحہ سے مارا گیا، اتوار کے روز یونانی کمانڈنٹ کے حکم سے عیسائی گرجاؤں میں دعائیں مانگنے سے قبل دکانیں کھولنے کی ممانعت کر دی گئی۔

۲۔ عودی جی اور جمعہ اوسی دیہات کے علاقے لوٹے اور جلا دیے گئے۔

وہاں کے باشندے اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔

۴۔ ینی میں ایک مفرور مجرم مسمی قسارورس جس کو قتل اور دیگر جرائم کی پاداش میں پندرہ سال قید کی سزا ہوئی تھی، آج یونانی وردی میں نظر آتا ہے اور اس کو معہ اس کے چند جرائم پیشہ ساتھیوں کے یونانیوں نے قیام امن و سکون کی خدمت سپرد کی ہے۔ ان قزاقوں کے ہاتھوں جو مظالم و مصائب مسلمانوں کے سر پر ٹوٹ رہے ہیں وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔

سات مسلمانوں کو ان بیدردوں نے گرفتار کر کے تین روز تک بے آب و دانہ رکھا، جو یونانی سپاہی ایندھن کی تلاش میں بھیجے گئے تھے انھوں نے قراشام مونخ کے مکانات گرا کر ہیزم و سوختہ فراہم کر لیا۔

۵۔ وورلا میں یونانی سپاہیوں کی بدسلوکیوں سے ایک شخص مسمی محمد جان بحق ہو گیا، قزا کے بہت سے مکانات لوٹے گئے، اور نواح دیہات کے مکانات آگ کی نذر کیے گئے۔

۶۔ سیری حصار میں چند ارنا اور افسروں کو یونانی مدرسہ میں اور حاکم کے مکان میں علی الترتیب تین روز تک مقفل رکھا، اس کے بعد ان کو پیدل سمرنا بھیج دیا گیا، تلاش اسلحہ کے لغو حیلہ سے باشندوں کو قید کیا گیا، اور پیٹا گیا، مشاہیر محمد بے و بہجت آفندی کے ساتھ تمام راستہ سمرنا تک بدسلوکی کی گئی، جہاں اب تک وہ قید میں ہیں، موخر الذکر دوخان کی جماعت کا ممبر ہے، اس کے پاسبانوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور وورلا کی گلیوں میں سے اس سے زبردستی جھاڑو دلائی،

۷۔ ان بے رحمیوں، بے دردیوں اور بے عزتیوں پر ہی قناعت نہیں کی گئی، بلکہ آزادی ایمان کو بھی ٹھکرا دیا گیا، اور سفاکوں نے مسلمانوں کو تبدیل مذہب پر مجبور کیا، ہم اس سلسلہ میں نولہ کے قزاقوں کے پولیس میتوں کے نام بتا سکتے ہیں، شفقت اور

رمضان آفندی جن کے نام بدل کر لیفٹر اور ڈیمیٹری رکھے گئے۔

جناب عالی، یہ واقعات جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں اور وہ جن کی اطلاعات ہم کو ہنوز بہم نہیں پہنچی ہیں، یہ وحشیانہ اور شرمناک افعال غیر ملکیوں، اتحادی اخبار اور ان کے کمانیروں کے (جن میں اعلیٰ امیر البحر کثرافت بھی شامل ہیں) کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں، اور ان سے ترکی آبادی کی تشویش، اور تمنا حق بجانب ہوتی ہیں، جو اپنی عزت اور اپنی جان اور اپنے مال کو ہر وقت خطرہ میں دیکھتے ہیں، یونانی پالیسی نے تھسلی کی ترکی آبادی کو بالکل مٹا ڈالا۔ جزیرہ کریٹ میں ایک ثلث سے ایک عشر کر دی اور ایسے قلیل عرصہ میں مقدونیہ میں آدھی آبادی کر دینے میں کامیاب ہو گئے۔ ایسی پالیسی ہے کہ وہ ہر خیر اندیش کی نگاہوں کے روبرو عالم مایوسی کا منظر پیش کر دیتی ہے۔

اس لیے ہم حضور کی خدمت میں ملتمس ہیں کہ ان واقعات کو پیش کانفرنس کے علم میں لائیے، اور توجہ دلائیے اور صاف صاف سمجھا دیجیے کہ مسلمان آبادی جو ولایت سمرنا میں ۸۵ فیصدی ہے یعنی اس کا عنصر غالب ہے، وہ ہرگز ایسی صلح کو تسلیم و منظور نہ کرے گی جس کی مدد سے اس کو ان ممالک کے چھوٹے سے چھوٹے قطعہ سے محروم کیا جائے اور اس کو غیر منصفانہ طریق پر کسی اور قوم کو دیدیا جائے جو ان کے درمیان بڑی بے رحم اور ناقابل برداشت ثابت ہو، حضور یہ فرمائش کرنے میں تمام ولایت کے باشندے بخوشی خاطر ہمارے مؤید ہیں لہٰذا یونانی مداخلت کی مخالفت سے ان کی مرضی صاف طور پر ثابت ہے۔

نقل رپورٹ جنرل علی نادر پاشا

کمانڈنٹ چوتھی آرمی متعینہ سمرنا

بخدمت وزارت جنگ

۱۔ میں نے حضور کو اس سرکاری مراسلہ کی اطلاع بھیج دی ہے جو جناب انگریزی امیرالبحر کلراپ بتاریخ ۱۴ مئی ۱۹۱۹ء وقت ۹ بجے صبح میرے پاس پہنچی تھی اور جس میں مجھ کو اطلاع دی گئی تھی کہ آرمسٹس کے فقرہ ۷ کے بموجب اتحادی سپاہ سمرنا کے استحکامات پر قبضہ کرے گی اس سے مجھے یہ بھی اطلاع ملی تھی کہ یہ فیصلہ باب عالی کے علم میں بھی لایا جا چکا ہے۔ حضور نے جواب دیا تھا کہ قدرتی طور پر ہم کو آرمسٹس کے فقرہ کی تعمیل کرنی چاہیئے، اور ان متواتر افواہوں پر کان نہ دھرنا چاہیئے جو سمرنا کے یونان کے الحاق کی نسبت گرم ہیں، ان افواہوں کو میں حضور تک پہنچانے میں بھی ناکام نہیں رہا تھا۔

۲۔ اسی روز ساڑھے گیارہ بجے امیرالبحر کلراپ نے مجھ کو مندرجہ ذیل مراسلہ بھیجا۔

"آرمسٹس کے فقرہ ۷ کے بموجب دول متحدہ کے ایماء سے سمرنا پر یونانی افواج قبضہ کریں گی، باربرداری کے جہازات جو ان کو لے جائیں گے، [illegible] کل

صبح آٹھ بجے فوجوں کو جہازوں سے اتارنا شروع کر دیں گے، ساڑھے آٹھ بجے صبح سے یونانی ملاحوں کے دستے گودیوں پر قبضہ کر لیں گے، کسی مزاحمت انگیز حادثہ اور غلط فہمی سے بچنے کے لیے تمام افواج متعینہ پاسپورٹ سوائے پولیس اور جنڈار ما کی چوکیوں کے بارکوں میں جمع ہو جائیں، اور قابض سپاہ کے کمانڈنٹ کے فیصلہ کی تعمیل کریں، بیرونجات جملہ رسل و رسائل روکنے کے لیے ایک انگریزی دستہ ڈاکخانہ اور تار گھر پر فوراً قابض ہو جائے گا۔

اس تحریر کے خاتمہ پر یہ دھمکی بھی درج تھی کہ اگر ضرورت ہووے تو اتحادی بحری سپاہ کے ذریعہ (جو اس وقت بندرگاہ میں موجود ہے) امن و سکون قائم کیا جاوے گا، یہ معاملہ ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو بوقت ایک بجے دوپہر کو حضور کے علم میں لایا گیا اور فوراً مندرجہ بالا تحریر کے احکام کی تعمیل اور قیام امن کے احکام جاری کر دیے گئے۔

۲- ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو یونانی دستہ خشکی پر اترا اور گیارہ بجے صبح کو بارکوں کی طرف کوچ کرتا ہوا روانہ ہوا، افواج کے آگے ایک بڑا یونانی جھنڈا دیسی یونانی اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے، جنہوں نے چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا تھا اور ذیٹو وینیزیلو کے نعرے لگاتے جاتے تھے، اور بے تحاشہ نعرہ مسرت بلند کر رہے تھے، یہ اسی تاریخ کا واقعہ ہے کہ جم غفیر سپاہیوں نے کوچ کرنا شروع کیا چھپن ویں ڈویژن کے دفتر بھرتی کی آرمی کور کے افسر اور جوان بارکوں میں تھے۔ رسالہ کی رجمنٹ اور فوج کی کئی کئی جمعیتیں اپنی اپنی چوکیوں پر تھیں، جلوس نکل چکا تھا، اور ٹریموے کی سڑک سے بارکوں کے گرد گھوم چکا تھا، کہ اس اثنا میں ایک فیر ہوا یہ گولی غالباً کسی یونانی مظاہرین نے چلائی ہو گی اس پر یونانی فوج نے فوراً بارکوں کے سامنے اپنا پڑا جما دیا، اور برابر فیر کرنے لگی، وہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ

پر ایک ہلکی کلدار توپ لگا دی اُس نے بھی گولیاں برسانے میں شرکت کی، افسر اس اچانک اور سرگرم حملہ سے چونک پڑے اور عمارت کے برآمدہ میں جمع ہو گئے، جہاں فیر کچھ کارگر ہو تے تھے،

یہ سوچ کر کہ اس اشتعال دہ واقعہ کا منصوبہ پہلے سے گانٹھ لیا گیا ہوگا کہ ترکی کی انتظامی مشین کے پرزے کھول کر پھینک دئے جائیں۔ اور اس سے فائدہ اٹھا کر امن پسند باشندوں کے حقوق کو پامال کیا جائے، اور یہ خیال کر کے کہ اس کے تدارک کا طریقہ یہی ہے کہ فیر بند کرائے جائیں، میں نے اس امر کی بہت ہی کوششیں کی، مگر ہماری ہر کوشش کا نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ فیر اور زیادہ زور سے ہونے لگتے تھے، آخری تدبیر میں نے یہ کی کہ ایک لمبے بانس میں سفید جھنڈا باندھا اور اس کے پیچھے پیچھے میں بذات خود یونانی افواج کی طرف چلا تب میں نے یہ دیکھا کہ افسران اور سپاہی دونوں سنگینیں تان تان کر ہم پر چڑھتے تھے، الآن ازیں یہ ثابت کرنے کے لیے ہم نے فیروں کا جواب بالکل نہیں دیا، اور شک و شبہ کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رکھنے کی غرض سے میں اور میرے ساتھی غیر مسلح کر دئے گئے میں وہاں ٹھیرا رہا، میری موجودگی (جو ادنی درجہ کی شایستہ سپاہ کو بھی خاموش کر دیتی) کا الٹا اثر ہوا اور وہ اس سے برافروختہ ہو گئے، اور کچھ دیر تک فیر جاری رکھے۔

۴۔ جس وقت سے ہم نے بارگوں کے پھاٹک سے قدم باہر رکھا تھا اُس وقت سے ہمارے خلاف ایسے ناپاک جرائم گستاخیوں اور توہین کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس کی نظیر صفحہ تاریخ پر اب تک نظر نہیں آتی، اور جس طرح یونانیوں نے ہماری عزت پر حملہ کیا اس طرح کسی گورنمنٹ یا سپاہی کی عزت اور شوکت پر آج تک حملہ نہیں ہوا بلا کسی امتیاز درجہ اور رتبہ کے (جن میں میں بھی شامل ہوں)

غیر مسلح افسران پر بیہودہ گستاخیوں سے حملہ کیا گیا، سنگینوں اور بندوقوں کے کندوں کی ضربیں مار مار کر ان کی تلاشی لی گئی، جو چیزیں ان کے جسم پر ملی وہ چھین لی گئی۔ (رومال گھڑیاں، پاکٹ بکیں، بلاس دانیاں، انگوٹھی چھلے، نقدی وغیرہ) ہمارے سروں کی فوجی ٹوپیاں اتار کر پھینک دی گئیں، ان کے ٹکڑے اڑائے گئے، اور ان کو روندا گیا۔ اس کے بعد ایک مجمع نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ناپاک آوازوں کی بوچھاڑ ہر چہار طرف سے شروع ہوگئی اور اس طرح سے یہ بدقسمت بدرقہ وہاں سے روانہ ہوا جو یونانی افسر وہاں موجود تھے انھوں نے بجائے اس کے کہ گندی گالیوں کو روکتے اور الٹا اپنے رویہ اور طرز عمل اور ٹھاٹ سے جہلا اور ان کے کم ظرف ساتھیوں کو اکسایا۔

۵ - اس کے بعد ایک نہایت ہولناک نظارہ نہایت غیظ وغضب کے اظہار اور جور وستم کی بوچھاڑ کا منظر تمام راستہ ہمارے پیش نظر رہا۔ قبضہ کی سپاہ ہماری دونوں جانب صف بستہ تھی اور یونانی آبادی ریلا دروں سے مسلح بدرقہ پر فیر کرتی جاتی تھی اور ہر قدم پر افسروں کے لاٹھیاں خنجر اور جو کچھ مل جاتا تھا وہ مارتی جاتی تھی جو لوگ ان یونانی کشتیوں پر تھے جو بندرگاہ میں لنگر انداز تھیں یا مکانات کے چھتوں اور برآمدوں میں تھے یا قہوہ خانوں یا اور کسی جگہ تھے غرض تمام یونانی دیسی یا یونانی سپاہی وہ سب اس دردانگیز سوانگ میں کم وبیش حصہ لے رہے افسروں کو مجبور کیا جارہا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر زیٹو کے نعرے لگائیں بہت سے افسر اور سپاہی ان ضربات کے صدمہ کی تاب نہ لاکر بیہوش ہوگئے مرگئے، یا مار ڈالے گئے، اور اسلحہ سے زخمی ہوگئے، عین اور ٹیل بینک کے سامنے ایک یونانی تارپیڈو کشتی کے قریب ہم پر زور کے فیر ہوئے۔ یہ تمام واقعات غیر ملکیوں اور اتحادی بحری سپاہ کے افسروں اور ساتھیوں کی نظروں کے

سامنے ہوتا رہا جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ گو ہمارے نقصانات پورے طور سے تحقیق نہیں ہوئے تاہم چالیس مقتول اور ۶۰ زخمی بآسانی گنے جا سکتے تھے، مظلوموں میں چوٹی کے آدمی کور کے دفتر بھرتی کا افسر اعلیٰ کرنیل سلیمان فتح بے، اسٹاف کرنیل علی بے بڑا ڈاکٹر لفٹنٹ کرنیل شکری بے اور چیف اسٹاف عبدالحمید بے اور بہت سے دیگر افسران شامل ہیں۔

۶۔ کشتیوں میں پہنچنے پر ۳۰ لفنگوں کو حکم ہوا کہ وہ افسروں کی تلاشی از سر نو لیں۔ انھوں نے جیسی کہ توقع تھی نہایت بُرے طریقہ سے سلوک کیا اور کوئی گستاخی توہین اور ذلت میں باقی نہ چھوڑا۔

۷۔ تمام افسر معہ میرے جہازوں کے گودام میں دھکیل دیے گئے، اور موالیوں کے پاس رکھے گئے، چھیاسات گھنٹے کی بدسلوکی اور قید کے بعد میں چیف اسٹاف عبدالحمید بے اور جیاں دیں ڈویژن کا کمانڈنٹ پھر بارگوں میں لے جاتے گئے، مطلب یہ تھا کہ قصبہ کے انخلا میں دو گھنٹے کے توقف کو پورا کر دیا جائے۔

۸۔ جو افسر جہاز میں باقی رہ گئے ان کو کیڈیج ودسرے درجہ کے کمروں میں پہنچا دیا گیا ان کمروں میں زیادہ سے زیادہ تیس آدمیوں کی گنجایش تھی، مگر ان میں ڈیڑھ سو کے قریب افسر اور پولیس مینوں اور شہریوں کی کثیر تعداد جو کہ گرفتار کر لیے گئے تھے) ٹھونس دیے گئے۔ اڑتالیس گھنٹے یعنی دو دن تک جس کے بعد اتحادی افسر آتے ہیں، ایک دانہ بھی خوراک کا ان لوگوں کو نہیں دیا گیا، اس کے بعد بھی حسرت سوکھی روٹی پنیر کے ٹکڑے اور چند انجیریں دی گئیں، زخمی افسروں کی مرہم پٹی بڑی لاپروائی سے کی گئی۔ اور ایک افسر جس کی حالت بہت نازک تھی دو روز تک بغیر مرہم پٹی اور بلا خبرگیری کے پڑا رہا، صرف ہر تیسرے یا چوتھے گھنٹے جب ان کو جہاز کی چھت کے اوپر بلایا جاتا تھا تو اس وقت چند لمحوں کے لیے ان کو تازی ہوا سانس لینے کے لیے

مل جاتی تھی ان افسروں کی جماعت نے جو اپنی نظر بندی کے دوران میں ہولناک مصائب برداشت کیے ہیں وہ سب آپ کے خیال کے لیے قلم انداز کرتا ہوں،

۹۔ ہماری متواتر کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ۱۵ مئی ۱۹۵۱ء کو ان افسروں کو اس مصیبت سے نجات دینے کا بندوبست کیا، اور ان کی بارگوں میں واپس پہنچایا جہاں سے چند گھنٹے بعد متاہل جو ان یونانی فوجی حکام سے پروانہ حاصل کرنے کے بعد اپنے گھروں کو جا سکے، اور جن کی شادی نہیں ہوئی تھی [illegible] بارگوں میں رہ رہے ہیں۔

۱۰۔ ذیل میں ان واقعات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جو بارگوں اور دیگر فوجی عمارتوں میں ہوئے ہیں۔

تمام بارگوں پر حملہ ہوئے اور چوریاں ہوئیں آرمی کور کے آہنی صندوق چھینے گئے ڈویژن کا دفتر بھرتی اور انجینیری پلٹن کے دفتر کے آہنی الماریاں جن میں ڈیڑھ لاکھ اشرفیوں سے زیادہ تھیں بالکل لوٹ لیے گئے، افسروں اور سپاہیوں کا سامان تمام و کمال چرا لیا گیا،

۱۱۔ جو فوجیں کی جمعیت بارگوں کے باہر تھی ان کے سپاہیوں اور افسروں کو علیحدہ علیحدہ گرفتار کر لیا گیا، پیٹا گیا، توہین کی گئی، ان کو لوٹ لیا گیا اور اسی طرح ان کے دفتروں کی الماریوں کو غارت کیا گیا۔

۱۲۔ افسروں کا اس طرح سے تار تار اُتار لیا گیا ہے اور وہ بالکل مفلس ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ ان میں سے بیشتر کے مکانات کو بالکل جلا ڈالا ہے افسروں اور خاندانوں کی بے عزتیاں بھی یونانی غولوں کے ہاتھوں ہوئی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سمرنا کے تمام افسر آج خالی ہاتھ خانہ ویران اور نہایت دکھیا، محتاج اور زدہ حال ہیں۔

۱۳۔ ایلوطیق مغنیسی ایدین سوپ اور اناطولیہ کی رجمنٹیں جو میرے کمانڈ میں تھیں اب تک مجھ سے خط و کتابت نہیں کر سکی ہیں جس قدر علد مجھ سے ہو سکے گا میں ان کے حوال کی آپ کو اطلاع دوں گا، میں ہوں حضور عالی آپ کا نیاز مند۔

علی نادر پاشا

مساجد اور مذہبی عمارات

جن کو یونانیوں نے بے حرمت کیا

مینیسکی مذہبی عمارات اور مساجد جن کی تعداد ۱۵۰ ہے یونانی فوج نے ان سب کو بیحرمت کیا ہے ان کے دروازے توڑ ڈالے اور قالین اُٹھا لے گئے، دیواریں گرادیں اور مساجد مسمار کر دیں۔

۱- آق مسجد
۲- دل جگر
۳- مسجد مجہ جلار
۴- جامع کتری
۵- جامع پیانہ پاشا
۶- دیری مسجد
۷- مسجد نقلی زادہ
۸- گرتی جامع
۹- جامع مرادی
۱۰- سردیلی مسجد
۱۱- جامع خیال
۱۲- شیخ مسغانی کی خانقاہ
۱۳- قبرستان

ذیل میں مختلف بیانات سے واقعات مستنبط کرکے مختصراً لکھے جاتے ہیں

۱ - یونانی سپاہی رات کو مسلمانوں کے گھروں میں گھس جاتے تھے اور وہاں عورتوں اور نوعمر لڑکیوں سے زنا بالجبر کرکے قتل کر دیتے تھے اور جس قدر مال ملتا تھا لوٹ لے جاتے تھے۔ (بیان گورنر ایدن)

۲ - عام اعلان کیا کہ تمام غیر مسلم ترکی ٹوپی نہ پہنیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ قتل کے وقت صرف ترکی ٹوپی پہننے والے (یعنی مسلمان) ہی ذبح کیے جاویں۔

۳ - ایدن کے اسلامی محلوں میں نل بند کر دیے تاکہ آگ جو مکان میں لگائی جاوے اس کو وہ لوگ نہ بجھا سکیں۔

۴ - محلہ جمعہ میں ادعلو سلیمان کو ان کی بیوی سمیت قتل کر دیا۔

۵ - آق مسجد میں ایک ترک خاتون زلیخا خانم کو ہلاک کر دیا۔

۶ - حاجی محمد آفندی کی بیٹی عائشہ کو قتل کر دیا۔

۷ - محلہ جمعہ میں ایک ترک نہ والا۔ اپنے جلتے ہوئے مکان سے ۲۰ سال کی ضعیف ماں کو پیٹھ پر لاد کر جا رہا تھا کہ یونانی سپاہیوں نے سنگینوں سے قتل کر دیا۔

اسینک۔

۸ - اسینک میں امیر علی چاؤش۔ احمد اذعلو، احمد علی عثمان۔ ابراہیم بیرام کو قتل کر دیا۔

۹ - شہر اسینک میں یونانیوں نے تمام مسلمانوں کے مکانات لوٹ لیے کھیتیاں جلا دیں۔

۱۰ - اسینک کی اکثر مسجدیں اور خانقاہیں مسمار کر دیں۔ تمام عورتوں کو بلا لحاظ سن وسال بے حرمت کیا،

۱۱ - محلہ اشراف زادہ اچلی اور بیلر کے ۱۴۵ مکانات جلا دیے اور مکانات کو لوٹ لیا۔

۱۲ - حاجی مصطفےٰ کی ۰۰۰ اور قیوم مصطفےٰ کی ۲۰۰ بکریاں لے گئے۔ محمد حاجی موسیٰ احمد یونس۔ صالح اور مہاجر محمد کو گرفتار کر لے گئے۔

۱۳ - میمہ پر قبضہ کیا اور اُسے برباد کر دیا اور اسی قریہ کی ایک مسلمان خاتون فاطمہ ہجرت کر کے آتی ہیں اُن کا داہنا پستان کاٹ لیا گیا ہے۔

۱۴ - کفری حصہ غلیک کے تمام گاؤں اور شہر جلا دیے،

۱۵ - کفری حصار کی ایک خوب صورت مسجد میں انھوں نے کئی ہزار مسلمان مردوں اور عورتوں بچوں کو بند کر کے آگ لگا دی اور جو لوگ دروازوں کے جلنے کے بعد آگ سے بچ کر باہر نکلے اُن کو ان وحشیوں نے گولیوں سے مار ڈالا۔

ایدن کے واقعات

۱۶ - لطفی آفندی کے گھر میں آگ لگی ان کی بیوی اور والدہ اپنی چھوٹی بچی کو لیکر بھاگنے لگیں ان کو یونانیوں نے گولیوں سے ہلاک کر دیا۔

۱۷ - حافظ بن محمد اسماعیل آفندی کو ان کے گھر میں شہید کیا اور مکان میں آگ لگا دی۔

۱۸ - محلہ جمعہ میں ایک باورچی محمد کی بیوی اور بیٹی کی عصمت دری کر کے سنگینوں سے مار ڈالا۔

۱۹ - محلہ جمعہ میں محمد آفندی تاجر کی بیوی کو بے حرمت کر کے مار ڈالا۔

۲۰ - محلہ طرزی زد کی ایک عورت کا ہاتھ قطع کر کے اُس کے اندام نہانی میں داخل کر دیا اور اس کا ایک پستان کاٹ کر اُس کی بوٹیاں اس کے منہ میں بھر دیں۔

۲۱ - علی آفندی کے دو نوجوان بیٹوں جمال - راغب کی آنکھیں نکال لیں۔ اور اُن کو شہید کر کے اُن کی لاشیں جلتے ہوئے مکان میں ڈال دیں۔

۲۲ - ڈاکٹر اسماعیل بے کو اُن کی بیوی اور بچوں سمیت گرفتار کر لے گئے ایک بچہ کی عمر دو سال اور دوسرے کی پانچ سال تھی ایک جماعت وحشی یونانیوں نے اُن کی عصمت مآب خاتون کے ساتھ زنا بالجبر کیا، اُس کے بعد والدین کے سامنے بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

۲۳ - حسین آفندی کی بہن کو بے حرمت کیا اور اس کے بعد ذبح کر دیا۔

۲۴ - اسماعیل آفندی کی بیوی کو بے حرمت کر کے اُن کو معہ بچوں کے قتل کر ڈالا۔

۲۵ - حاجی یحییٰ آفندی کے گھر کو یونانیوں نے لوٹ لیا اور اُس کے بعد اُن کو معہ بیوی کے قتل کر ڈالا۔

۲۶ - ہوٹل ڈی سمرنا کے مالک احمد آفندی کے گھر میں جب آگ لگی اُن کی بہن وہاں سے بھاگیں لیکن یونانیوں نے سنگینوں سے اس کو ختم کر دیا۔

۲۷ - محلہ قمر کے دو شخص عید آفندی اور انا محمد کو گھروں سے پکڑ کر ان کی آنکھیں نکال دیں، ناکیں کاٹ لیں۔ کان اڑا دیئے۔ ان کے چہروں پر کی کھال چاقوؤں سے کھرچی اور پھر ان کو سنگینوں سے شہید کیا،

۲۸ - حاجی سلیمان، جمال قادری، اذعلو سلیمان کو معہ ان کی بیوی کے قتل کر دیا۔

۲۹ - لفٹنٹ منیار بے معلی کو ان کے بھائی کے ساتھ شہید کیا ان کی بیوی کو زبردستی عیسائی کر کے ان کا نام میری رکھا۔ اور پھر اسلام پر قائم رہنے کی وجہ سے ان کے ساتھ زنا بالجبر کر کے انھیں قتل کر دیا۔

۳۰ - محلہ دوکان یوقو میں حافظ امین آفندی، اور حافظ احمد آفندی کو شہید کر دیا،

۳۱ - اسی محلہ میں محمد آفندی تاجر کی بیٹی اور بیوی کو بے حرمت کیا اور قتل کر ڈالا۔

۳۲ - محلہ قمر میں امام اذعلو محمد اور ابراہیم کو قتل کر دیا۔

۳۳ - تیجازی کے ایک عرب درویش کو شہید کیا۔

۳۴ - سپادٹا کے ایک مہاجر کو معہ ان کی بیوی اور شیر خوار بچے کے آگ سے بھاگتے ہوئے قتل کر ڈالا۔

۳۵ - افیسر محکمہ جنگلات عارف بے کے گھر کا شاندار دروازہ بم سے اڑا دیا اور خود ان کو شہید کر دیا۔

۳۶ - ایک ترک خاتون عائشہ بیگم کے گھر میں بہت سے یونانی اس مقصد سے آئے کہ ان کی لڑکی (جو بہت حسین تھی) کو بھگا لے جائیں، مگر اس کو وہاں نہ پایا اور عائشہ خانم کو قتل کر ڈالا۔

۳۷ - ایدن کی عدالت مذہبی کے سر رشتہ دار مصطفےٰ آفندی نے دیکھا کہ دو یونانی حاجی یحییٰ آفندی کے گھر میں گھس گئے اُن کی بیوی اور کمسن بیٹی کو اپنی سنگینوں سے ہلاک کیا اور ایک ٹوکری میں زیور اور قیمتی سامان اور صندوقچہ میں نوٹ اور روپیہ بھر کر لے گئے۔

۳۸ - علی زیدی کو قتل کر کے اُن کا گھر جلا دیا۔

۳۹ - شاکر بن صالحہ کی عصمت دری کر کے انھیں قتل کر دیا۔

۴۰ - محمد آفندی کو اُن کے پورے خاندان کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

۴۱ - محلہ چکورت میں محمد بن حاجی صالح - آمنہ خانم بنت حکیم کیولیق - خدیجہ خانم حسن چاوش کو قتل کر کے جلا دیا۔

۴۲ - محمد بن حسن اوغلو کو معہ اُن کے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے مار ڈالا۔

۴۳ - محمد بن شاکر اور ان کی بیوی فاطمہ بنت بنی زاہرہ - محلہ چکورت میں سلیمان آفندی محلہ قمر میں سلیمان اور اُن کی بیوی اور اُن کی بیٹی اور بیٹوں کو حسین بن فاضل حسین اور فاطمہ کو جو ناب ابراہیم کو محلہ تعبہ میں عائشہ اور محمد آفندی کی بیوی کو قتل کر ڈالا۔

۴۴ - کوچہ ادنہ کے صنادبے اور اُن کے بھائی کو مار کر لاشوں کو اُن کے جلتے ہوئے گھر میں پھینک دیا۔

۴۵ - جگر اوغلو علی اُن کی بیوی اور بیٹے داماد کو قتل کر کے جلا ڈالا۔

۴۶ - نوری آفندی کو قتل کر کے اُن کے جلتے ہوئے گھر میں پھینک دیا۔

۴۷ - محلہ چکورت کے حفیظ آفندی کو اُن کی بیوی کو اور اُن کے چھ بیٹوں (مصطفےٰ۔ شاکر، عثمان - یزدگانی - احمد چاوش، ابراہیم - غوث محمد) سمیت اور مصطفےٰ آفندی کو ان کی بیوی اور ایک لڑکے کے ساتھ قتل

کر کے آگ میں جلا دیا۔

۴۸ - عائشہ وداد۔ حسیمہ، تین نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کر کے قتل کر ڈالا اور اُن کی نعشوں کو چیر ڈالا۔

۴۹ - چالیس سے زیادہ عورتوں کو ایک جگہ جمع کر کے چاند ماری کی جس کی وجہ سے کثیر حصہ مر گیا۔

۵۰ - امین آفندی احمد آفندی۔ مصطفےٰ آفندی۔ حمر خانم اور ایک لڑکی کی لاش تغیر میں ٹکڑے ٹکڑے ملے،

۵۱ - حافظ خلیل آفندی اپنی بیوی بچوں کو آگ سے بچا کر بھاگے یونانیوں نے ان پر گولی برسائی، جو اُن کے سات سال کے لڑکے کے بازو میں لگی اور وہ گر پڑا۔ اُن کی گیارہ سال کی بیٹی لطیفہ کے ایک گولی لگی اور وہ بھی گر پڑی۔ آخر بڑی مشکل سے یہ ان بچوں کو اُٹھا کر بھاگے اور چھپ گئے یہ تیزلی کے شفاخانہ میں زیر علاج ہیں اور ان کو فرنچ کمانڈر لیبان نے دیکھا ہے۔

۵۲ - گل باغچہ کے قریب . . . . بے وکیل کی بیوی اور بیٹی کی عصمت دری اور کپڑے اتار لے گئے،

۵۳ - . . . . - آفندی کی بیوی کو انگور کے باغ میں بے حرمت کیا۔

۵۴ - . . . . آفندی کی بیوی کو رات کے وقت یونانی گھر سے پکڑ کر لے گئے۔ اور اس کی عصمت دری کی۔

تاجروں نے یونانیوں کے مقرر کردہ نرخ پر بیچنے سے انکار کیا اُن کو گرفتار کر لیا۔

۸۰ - حاجی حافظ عربی۔ اپنے انگور کے باغ سے آ رہے تھے کہ اُن کو اُن کے مکان کے سامنے گولی مار دی۔

۵۷ - نازلی کو خالی کرتے وقت جن مسلمان رؤسا کو یونانی گرفتار کر کے لائے تھے اُن کو کیونتک میں ایک جگہ کھڑا کر کے چاند ماری کی۔ ان میں سے ۳۴ شہید ہو گئے، باقی زخمی ہو کر گر پڑے،

۵۸ - یونانی گورنر ۲ مصاحبوں کے ساتھ جا رہا تھا اس نے چند سپاہیوں کو دیکھا کہ ایک ترکی علی آفندی کو انھوں نے مار ڈالا ہے، اس پر گورنر صاحب کے حکم سے مصاحبوں نے سپاہیوں کو بلا کر انعام دیا۔

۵۹ - اربلی سے آتے وقت یونانی فوج نے ۸۴ مسلمانوں کو مار ڈالا چند کو ریل میں سے پھینک کر اور چند کو ریل ہی میں تباہ کر دیا۔

۶۰ - قرہ پونار میں آگ کے دن انھوں نے آٹھ بوڑھے آدمیوں کو پکڑ لیا جو آگ سے بچ کر بھاگ رہے تھے، اور انھیں ایک جلتے ہوئے مکان میں دھکیل دیا۔

۶۱ - قریہ دیلیاغ کے مصطفےٰ آفندی کی بیوی زہرا خانم اور ان کی بیٹی عصمت خانم کو پکڑ لے گئے اور اس کے بعد ان غریبوں کا حال معلوم نہ ہوا۔

۶۲ - یونانیوں نے بڑے بڑے مکانوں پر آتش افروز بم مارے جن سے وہ بالکل برباد ہو گئے۔

سیٹھ چھوٹانی پریسیڈنٹ آل انڈیا خلافت کمیٹی کے تار لندن سے مختصر اقتباس

ترکی وفد کی گفتگو سے جو حالات تھریس سمرنا اور اناطولیہ کے مصیبت زدوں کے معلوم ہوتے ہیں وہ سخت دل خراش دل ہلا دینے والے ہیں۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں یونانیوں کے ان مظالم کو جو انھوں نے مسلمانوں پہ توڑے ہیں بیان کر سکوں۔

غرض یونانیوں نے سمرنا کے مسلمانوں پر اتنے بھیانک مظالم جن کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، اس کے برعکس مسلمانوں جہاں تک تعلق ہے، انھوں نے انتہائی اشتعال انگیز حالات میں بھی اور رواداری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، انھوں نے نہ کسی غیر مسلم عورت کی بے حرمتی کی، نہ بچوں کو قتل کیا، نہ کلیسا میں آگ لگائی، نہ مسافروں کی جا ان کے اس کارنامے کا اعتراف دشمنوں تک کو کرنا پڑا، اور یہ ان کی بڑی فتح تھی۔

(رئیس احمد جعفری)

کتابیں ہی کتابیں

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی دو کتابوں کے نئے ایڈیشن

قواعدِ اُردو

اردو کے مزاج اور قواعدِ زبان پر بابائے اردو مولوی عبدالحق بالقابہ کی نگارشات قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔ قواعدِ اُردو ہماری زبان کی پہلی مستند اور سائنٹیفک گرامر ہے۔ اس کا یہ خاص ایڈیشن بعد نظرِ ثانی ان کی ذاتی نگرانی میں شائع ہوا تھا۔

مجلد قیمت ۵/۰

انتخابِ کلامِ میر

خدائے سخن میر کے معتقدین کا حلقہ اب تک بہت وسیع ہے لیکن بیس پچیس برس ادھر ان کی خوبیوں پر فقط خواص کی نظر تھی ——— ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ نے اپنے اس انتخاب اور دیباچے کے ذریعے ادب کے تمام طالب علموں کو دنیائے میر کی رنگارنگی سے روشناس کیا اور میر کے مطالعے کی بنیاد ڈالی۔

اس کتاب کے گذشتہ ایڈیشن کتابت کی غلطیوں سے بھرپور تھے۔ اب نظرِ ثانی اور تصحیح کے بعد یہ خاص ایڈیشن مجلد شائع کیا ہے

قیمت ۴/۵۰

چند مجموعۂ نظم

پرچھائیاں۔ ساحرؔ لدھیانوی۔ ہمارا ساحر۔ ہماری نسل کا سجیلا شاعر ساحر اپنا جادو شیریں زبانی سے بھی جگاتا ہے، آتش بیانی سے بھی۔ پرچھائیاں ساحر کی پہلی طویل نظم ہے۔ آرٹسٹ کی تصاویر۔ خوبصورت گردپوش عمدہ جلد ۱/۲۵

گاتا جائے بنجارا

گاتا جائے بنجارہ ساحرؔ لدھیانوی کے نغمات کا مجموعہ ہے ساحر نے گیت کو ایک نئی زندگی بخشی ہے اور انہی خدمات کے تحت اُسے جون ۱۹۵۸ء کو سال کے بہترین نغمہ نگار کا ایوارڈ بھی دیا گیا تھا قیمت ۳/۰

تلخیاں

ساحرؔ لدھیانوی ——— ساحرؔ لدھیانوی کا پہلا مجموعہ کلام تلخیاں نئی نظموں اور غزلوں کے اضافے کیساتھ چھپ کر تیار ہے

خوبصورت طباعت۔ سہ رنگا گردپوش ——— ولائتی کپڑے کی جلد۔ ۳/۰

چاند نگر ——— ابنِ انشاء کا پہلا مجموعہ ——— چاند نگر ۱۹۵۵ء میں چھپی تھا دلی

دُنیا چونک اُٹھی۔ ایک نیا خوشگوار، تازہ لب و لہجہ سُنائی دیا۔ شعری زبان کو ایک نئی سمت ایک نئی شخصیت ملی۔ ابنِ انشاء مستقبل کا شاعر ہے۔ اس کی آواز میں وہ کس بل موجود ہے جو طبع زاد آفریں شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ دوسرا خوبصورت ایڈیشن ۴/۰

دوسرا مجموعہ چھوٹی باتیں زیرِ طبع

چینی نظمیں (منظوم ترجمے) ابنِ انشاء۔ لاہور میں ایک چینی موچی کی دکان پر ایک جوتا تھا۔ عمدہ، نفیس، ابنِ انشاء نے اسے دیکھا اور پسندیدگی سے کہا: "میں اس کا ترجمہ کروں گا۔" — شاید یہ نرا لطیفہ ہو لیکن چین اور چینیات سے ابنِ انشاء کے گہرے شغف کی گواہی دیتا ہے۔ جو لوگ چینی شاعری کی سادگی اور تازگی اور ابنِ انشاء کے طرزِ ادا کی مٹھاس اور رچاؤ کے قدردان ہیں خود جان سکتے ہیں یہ کتاب ایک درشن جھروکا ہے۔ چہار رنگا گردپوش قیمت ۳/۰

شہرِ آذر۔ مصطفٰی زیدی۔ "مصطفٰی زیدی کا کلام ہماری شاعری کی جدید اور قدیم دونوں رسوم سے اس قدر مختلف ہے کہ اس پر رسمی اصطلاحات میں تبصرہ کرنا مشکل ہے۔ زیدی کا شعر ہماری جدید شاعری میں ایک انوکھا، پُر اسرار اور دلکش اضافہ ہے۔" فیض احمد فیض قیمت ۳/۵۰

موج مری صدف صدف۔ مصطفٰی زیدی۔ مصطفٰی زیدی اُردو کے جہاں نیاں جہاں گرد شاعر ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں جب وہ انگلستان میں تھے انہوں نے ایک چھوٹی کار پر تمام یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کا سفر کیا۔ "موج مری صدف صدف" اسی مسافت کی جذباتی روئداد ہے۔ چہار رنگا گردپوش ۳/۵۰

اسلامی تاریخی ناول

فتح قسطنطنیہ۔ رئیس احمد جعفری۔ فتح قسطنطنیہ رئیس احمد جعفری کا تازہ ترین کارنامہ ہے جس میں قسطنطنیہ کے فتح کی داستان نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ سہ رنگا ہات قدرت گردپوش۔ ۵/۰

اسلام کے غازی یورپ میں۔ رئیس احمد جعفری — اس کتاب میں فاضل مصنف نے یورپ پر عربوں کی فاتحانہ یلغار کو سلسلہ وار، مستند اور بڑا دلچسپ مواد پیش کیا ہے۔ بڑا سائز قیمت ۶/۰

ٹام راج سے رام راج تک۔ رئیس احمد جعفری۔ تاریخ کا یہ باب جو جعفری صاحب نے آپکے سامنے پیش کیا ہے۔ اب بھی نایاب ہے۔ اور چند سال بعد تو شاید نا پید ہو جائے گا۔ حالانکہ یہی مواد ہے جو آگے چل کر ماخذ بنے گا۔ اور اسے سامنے رکھ کر تاریخیں لکھی جائیں گی۔ ضرورت ہے کہ اس طرح کا مواد جہاں اور جتنا کچھ بھی ملے محفوظ کر دیا جائے۔ فاضل مصنف کی یہ کوششیں اس جذبہ کا نتیجہ ہے۔ قیمت ۵/۰ بڑا سائز

منگول رئیس احمد جعفری ــــ دنیا کا ظالم ترین فاتح چنگیز خاں منگول بگولے کی طرح اٹھا۔ اور آندھی کی طرح چھا گیا۔

رئیس احمد جعفری کے طرزِ بیان نے اس میں اور بھی جان ڈال دی ہے۔ ۵/۰

صلیبی جنگیں رئیس احمد جعفری ــ غازی صلاح الدین ایوبی اور رچرڈ کے درمیان جو جنگیں لڑی گئیں۔ انہیں جناب رئیس احمد جعفری نے دلکش انداز میں قلم بند کیا ہے۔ سہ رنگا گرد پوش ۵/۰

مغلِ اعظم اختر رئیس ــــ شہنشاہ اکبر جسے تاریخ میں مغلِ اعظم کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جہاں اپنے وقت کا مدبر حکمران تھا وہاں نہایت جابر و قاہر بادشاہ تھا اور اس کے ظلم کا نشانہ اس کا بیٹا سلیم بھی بن گیا۔

انارکلی کی دلخراش داستان، ایک کنیز کی محبت کی کہانی جسے صرف اس لئے دیوار میں چنا دیا گیا کہ وہ کنیز تھی۔ ایک عام لڑکی تھی۔

جو میں ایسا جانتی پیت کئے دکھ ہو سئے
نگر ڈھنڈورا پیٹتی کہ پریت کرے نہ کوئے

قیمت ۵/۰

ہلاکو خاں اختر رئیس۔ تاتاری سردار ہلاکو خاں اپنے دادا چنگیز خاں کی طرح ظالم فاتح تھا۔ اس نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی ــــ اس تاریخ کے ساتھ ساتھ فاضل مصنف نے ایک دلکش رومان کو اس طرح سمویا ہے کہ آپ اس ناول کو پڑھ کر عش عش کر اٹھیں گے۔ سہ رنگا ہاف ٹون گرد پوش ۶/۰

داراشکوہ اختر رئیس ـ اورنگ زیب کا بھائی داراشکوہ بڑا ہی خود پسند اور خود رائے تھا اور اسے اپنی عقل مندی اور معاملہ فہمی پر اسقدر بھروسہ تھا کہ کبھی کسی کو صلاح مشورہ دینے کی جرأت ہی نہیں ہوتی تھی لیکن اسکی دانش مندی

اور معاملہ فہمی ہی اس کے حق میں زہر قاتل ثابت ہوئی اور وہ اپنے بھائیوں کی سازشوں سے آگاہ نہ ہو سکا اور گرفتار ہو کر اورنگ زیب کے دربار میں لے جایا جا رہا تھا تو سارے دہلی میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔

اس تاریخ کے ساتھ ساتھ فاضل مصنف نے ایک رومان بھی اس طرح سمویا ہے کہ ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر نہیں چھوڑ سکتے۔ ۸/۷۵

خطباتِ مدراس ۔ سید سلیمان ندوی ۔ سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر وہ آٹھ خطبے جن کو سید سلیمان ندوی نے اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ میں مدراس کے انگریزی مدرسوں کے طالب علموں اور عام مسلمانوں کے سامنے لالی (مدراس) میں ہفتہ وار دیا قیمت ۔ ۳/۰

رحمتِ عالم ۔ سید سلیمان ندوی ۔ اسلام کا گلدستہ جس دھاگے سے بندھا ہے وہ رحمتِ عالم کا وجود مبارک ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس وجود پاک کے سوانح کا ایک ایک حرف ہر مسلمان کے کان تک پہنچایا جائے تاکہ یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ مولانا نے اس پاکیزہ مقصد کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے۔ قیمت ۲/۰

توبتہ النصوح ۔ مولوی نذیر احمد دہلوی ۔ مولوی صاحب کی سب سے مشہور اور ممتاز تصنیف ہے۔ اس کے ذریعے مصنف نے بڑے واضح طور پر اپنا نظریہ حیات بیان کیا ہے۔ قیمت ۔ ۲/۵۰

رستم و سہراب آغا حشر کاشمیری ۔ آغا حشر کاشمیری ہمارے تمثیلی ادب کا سب سے نمایاں نام ہے ۔ اور رستم و سہراب آغا حشر کی پرشکوہ الفاظ پر قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اردو کا کوئی ادب بھی رستم و سہراب کی برابری نہیں کر سکتا۔ قیمت ۔ ۱/۵۰

لاہور اکیڈمی لاہور

۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

اسلام کے غازی

یورپ میں

سید رئیس احمد جعفری (ندوی)

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور